Edited

15-3/10

سیاست نامۂ عالم

ایک منظوم سیاسی ڈرامہ جس میں مشرقی و مغربی اقوام کے
اوضاع و احوال اور آراستہ و مسخ شدہ خد و خال کو دکھایا گیا
ہے اور جس کا غائر مطالعہ دنیائے مستقبل کے سیاسی نظام کے لئے
آئینۂ بصیرت و بصارت ہے۔

شرفِ انتساب

حرفِ اوّل اور سیاست نامۂ عالم کو رئیس الاحرار حضرت مستطاب مولانا محمد علی مرحوم جوہر (نور اللہ مرقدہٗ) کے نام نامی سے معنون کیا جاتا ہے۔ آپ نہ صرف پاکیزہ ادیب و شاعر بلکہ شمع نبوت کے سچے پروانے، ملک و قوم کے جانباز خادم اور میدانِ سیاست کے زبردست شہسوار تھے آپ کی صحافت و سیاست، شاندار سیرت و خطابت نوجوانانِ مشرق کے لیے ایک قابلِ تقلید یادگار ہے اور رہیگی۔ ادخلہُ اللہُ فی الجنانِ

سرِ جوہر بفشانید گلہائے عقیدت لے ا
کہ تابِ سیرتش با ملّتِ ما سازگار آمد

بندۂ محبت
نکہت شاہجہانپوری

نکہت منزل محلہ مہندہ ہد شاہجہانپور

(ج)

موجِ مل ہر جا کہ می جوشد مل است
شاخِ گل ہر جا کہ می روید گل است

سیاست نامۂ عالم

زمانہ ۱۹۴۶ء

افرادِ تمثیل

۱- مدعی — کارکنانِ قضا و قدر
۲- مدعا علیہ — نمایندگانِ اقوامِ عالم
۳- (جج) مرکزِ عدالت و انصاف (باری تعالیٰ)

بیانات

(۴) نمایندۂ جرمنی — (۶) نمایندۂ جاپان
(۵) ،، اٹلی — (۷) ،، اشتراکیت

(۸) نمایندۂ امریکا
(۹) ,, انگلستان
(۱۰) ,, ایران
(۱۱) ,, افغانستان
(۱۲) نمایندۂ عربستان
(۱۳) ,, ہندوستان
(۱۴) ,, چین
(۱۵) ,, ترک
(۱۶) ابلیس علیہ اللعنۃ

فیصلۂ الٰہی

تقریظ

از حضرت محترم جناب قیصر الاسلام صاحب ایم اے۔ بی ٹی (علیگ) ایم اے لکھنو۔ پروفیسر شعبۂ سیاسیات جی، اف ۔ کالج شاہجہانپور

میں واقعی اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ مجھے سیاست نامۂ عالم کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ یہ طبعزاد منظوم ڈراما ہندوستان کے مشہور ادیب و شاعر پروفیسر نکہت شاہجہانپوری کی جدت طرازی کا شاہکار ہے۔ اگر پروفیسر نکہت کی نسبت تصنیف سے مزین نہ ہوتا تو میں شاید اس کے مطالعہ کی طرف متوجہ نہ ہوتا لیکن جب میں نے اسے پڑھنا شروع کیا تو میں اس کی ہمہ گیری اور شان تکمیل سے متحیر ہو گیا۔ بلا مبالغہ کسی ادب میں ایسا نادر ادبی مرقع میری نظر سے نہیں گذرا۔ پلاٹ کی گوناگوں دلچسپیوں کے ساتھ یہ آرٹ کا ایک شاندار کارنامہ ہے میں اس کے مطالعہ سے بیحد متاثر ہوا۔ آرٹ کا ادراک اور اثر سمجھانے کی چیز نہیں اس لئے مجھے اجازت دیجئے کہ میں چند اشعار نقل کروں اور آپ اس امر کا جائزہ لیں کہ آپ اسکے روحانی پیغام سے کہاں تک متاثر ہوں گے اور دل کی آنکھیں کہاں تک بیداری کا احساس نہ کریں گی! سب سے پہلے مشیت کا اپنی مخلوق سے وہ خطاب سنئے جو ایک انسانی زندگی کو منقلب کر سکتا ہے!

یہ رنگ و بو کے مظاہر یہ گردش شب و روز   یہ جلوۂ سحر و شام انقلاب آموز

یہ پُر شباب بہاریں یہ حسن و عیش و ترنگ
نگاہِ فیض سو کس کی ہے یہ خوش آہنگ؟

نظامِ ارض و سما کس کے بل پہ چلتا ہے!
ہمیشہ وقت پہ یہ خورشید کیوں نکلتا ہے؟

یہ کون زیست کو بزمِ وجود میں لایا؟
یہ کس نے قلب کی گہرائیوں کو گرمایا؟

تمہارے رزق کے خرمن رہین کس کے ہیں
یہ برق و ابرِ دُر افشاں امین کس کے ہیں؟

یہ موج موج سمندر یہ حسنِ بحر و بر
یہ سیم و زر کے معادن یہ گنجِ لعل و گہر!

یہ کہکشاں یہ ستارے یہ جنتِ ارضی
تمہارے دل کی تمنا تمہاری خود مرضی

یہ گرم و سردِ دنیا یہ رنگِ کائناتِ عمل
یہ آہن اور یہ ایجاد یہ مشین یہ کل

یہ کس کی عقل کے لمعات نے بنائے ہیں
عروج مجھ سو زمانے میں کس نے پائے ہیں؟

غرض کہ یہ مرے بندے مجھی کو بھول گئے
خودی کے جوش میں اصل خودی کو بھول گئے

دنیائے سیاست اور فنِ شاعری میں قطبین کا فرق ہے۔ مگر لائق پروفیسر محبی نکہت نے ان دونوں کو حیرت انگیز جامعیت کے ساتھ ہم آہنگ بنایا ہے۔ میرے قیاس میں بھی یہ بات نہ تھی کہ سیاست کی "عروس ہزار داماد" اسقدر حسین و دلکش اداؤں کے ساتھ جلوہ گر ہو سکتی ہے۔ میدانِ سیاست کی "ذلیل آپا دھاپی" کو شعریت کا ایک کامیاب اور سنجیدہ موضوع بنانا فی الواقع عظیم الشان ادبی کارنامہ ہے۔ تمثیل کو پڑھکر شاعر کے اعلیٰ ذہنی ملکات اور قوتِ ادراک و تخئیل کی بلندیوں کا زبردست احساس ہوتا ہے۔ حُسن کو حسین بنانا تو ضرور آساں ہے۔ مگر تاریخ و سیاست کے بے ہنگام اور زشت یا بدنما واقعات کو ایک آراستہ دلہن اور جاذبِ نگاہ دلہن بنانا کس قدر دشوار بات ہے۔ پروفیسر نکہت کے سر اس فن کارانہ جدت کا سہرا ہے جو غالباً دنیائے فکر و نظر میں ایک جدید

ترین تصنیف پیش کر رہے ہیں۔ زمانۂ حاضرہ کے سیاسی خد و خال اور انقلابی نقش و نگار میں دلکش اور تعمیری رنگ بھرنا اور میکانی دَور کی جنگ و اسلحہ، گن مشین اور جوہری بم کو دنیائے شاعری میں تابدار لطافتوں اور نزاکتوں کے ساتھ متعارف کرنا، جیسے شیر، پاؤ، ڈانامیٹ اور کوہ کندن کی ایجاد سے کسی طرح کم نہیں۔ صرف نظم کی حیثیت سے جنگ نامہ لکھدینا مشکل نہیں، مگر رزم و بزم اور واقعات عالم کے نشیب و فراز میں روح شعریت بھرنا بیحد دشوار و ہنی مرحلہ ہے۔ مثالاً اشتراکی دار السلطنت ماسکو پر المانی حملوں کا منظر اور ان کی سیاست پر حسن تنقید ملاحظہ ہو

اگرچہ نغمۂ جمہور ساز ملت ہے
مگر سروں میں وہی سوز آمریت ہے

انھیں کے طرز سیاست پہ نشیب و فراز
بنا چکے ہیں زمانے کو اپنا ہم آواز

وہ دن یہ بھول گئے جبکہ اُنپہ حملے تھے
رگ وجود پہ خونریزیوں کے جیرکے تھے

گلی گلی میں تڑپتے تھے بسملوں کی طرح
نگاہِ یاس اُٹھاتے تھے بیکسوں کی طرح

کوئی رفیق نہ تھا وقتِ نزع دوش بدوش
چراغ زیست ہوا چاہتا تھا بس خاموش

بچایا کس نے تمہیں پنجۂ مزاحم سے
قدم جمائے ہیں کس نے مگر عزائم سے

وہ کون تھا صفِ دشمن کو جو اُلٹتا تھا
منٹ منٹ پہ رُخِ جنگ کو پلٹتا تھا

جاپان کی سیرت ملاحظہ ہو

وہ قوم جس کے عقیدے میں شخص پرستی ہو
وہ قوم مظہر اصنام کی جو بستی ہو

وہ قوم جسمیں کہ قارونیت کے پہلو ہوں
وہ قوم جسمیں کہ فرعونیت کے جادو ہوں

نہ بن سکے گی سیاست کے راز داں و نظر
کہ اصلیت نہیں ملتی کبھی فسانوں میں!

فیصلۂ الٰہی

تقریظ

از حضرت محترم جناب قیصر الاسلام صاحب ایم۔ اے۔ بی ٹی (علیگ) ایم۔ اے۔ لکھنؤ۔ پروفیسر شعبۂ سیاسیات جی۔ اف۔ کالج شاہجہانپور

میں واقعی اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ مجھے سیتانامۂ عالم کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ یہ طبعزاد منظوم ڈراما ہندوستان کے مشہور ادیب و شاعر پروفیسر نکہت شاہجہانپوری کی جدت طرازی کا شاہکار ہے۔ اگر پروفیسر نکہت کی نسبت تصنیف سے مزین نہ ہوتا تو میں شاید اس کے مطالعہ کی طرف متوجہ نہ ہوتا لیکن جب میں نے اسے پڑھنا شروع کیا تو میں اس کی ہمہ گیری اور شان تکمیل سے متحیر ہو گیا۔ بلا مبالغہ کسی ادب میں ایسا نادر ادبی مرقع میری نظر سے نہیں گذرا۔ پلاٹ کی گوناگوں دلچسپیوں کے ساتھ یہ آرٹ کا ایک شاندار کارنامہ ہے میں اس کے مطالعہ سے بیحد متاثر ہوا۔ آرٹ کا ادراک اور اثر سمجھانے کی چیز نہیں اس لئے مجھے اجازت دیجئے کہ میں چند اشعار نقل کردوں اور آپ اس امر کا جائزہ لیں کہ آپ اسکے روحانی پیغام سے کہاں تک متاثر نہ ہوں گے اور دل کی آنکھیں کہاں تک بیداری کا احساس نہ کریں گی! سب سے پہلے مشیت کا اپنی مخلوق سے وہ خطاب سنئے جو ایک انسانی زندگی کو منقلب کر سکتا ہے!

یہ رنگ و بو کے مظاہر یہ گردشِ شب و روز　　یہ جلوۂ سحر و شامِ انقلاب آموز

یہ پُرشباب بہاریں یہ حسن و عیش و ترنگ
نگاہِ فیض سے کس کی بنے ہیں خوش آہنگ؟
نظامِ ارض و سما کس کے بل پہ چلتا ہے!
ہمیشہ وقت پہ یہ خورشید کیوں نکلتا ہے؟
یہ کون زیست کو بزمِ وجود میں لایا؟
یہ کس نے قلب کی گہرائیوں کو گرمایا؟
تمہارے رزق کے خرمن رہین کس کے ہیں
یہ برق و ابرِ دُرافشاں امین کس کے ہیں؟
یہ موجِ موجِ سمندر یہ حسنِ بحر و بر
یہ سیم و زر کے معادن یہ گنجِ لعل و گہر!
یہ کہکشاں یہ ستارے یہ جنتِ ارضی
تمہارے دل کی تمنا تمہاری خودمرضی
یہ گرم دسترِ دیرینہ رنگِ کائناتِ عمل
یہ آہن اور یہ ایجاد یہ مشین یہ کل
یہ کس کی عقل کے لمعات نے بنائے ہیں
عروج مجھ سے زمانے میں کس نے پائے ہیں؟
غرض کہ یہ مرے بندے مجھی کو بھول گئے
خودی کے جوش میں اصلِ خودی کو بھول گئے

دنیائے سیاست اور فنِ شاعری میں قطبین کا فرق ہے۔ مگر لائق پروفیسر محبی نکہت نے ان دونوں کو حیرت انگیز جامعیت کے ساتھ ہم آہنگ بنایا ہے۔ میرے قیاس میں بھی یہ بات نہ تھی کہ سیاست کی "عروس ہزار داماد" اسقدر حسین و دلکش اداؤں کے ساتھ جلوہ گر ہوسکتی ہے۔ میدانِ سیاست کی "ذلیل آپا دھاپی" کو شعریت کا ایک کامیاب اور سنجیدہ موضوع بنانا فی الواقع عظیم الشان ادبی کارنامہ ہے۔ تمثیل کو پڑھکر شاعر کے اعلیٰ ذہنی ملکات اور قوتِ ادراک و تخییل کی بلندیوں کا زبردست احساس ہوتا ہے۔ حُسن کو حسین بنانا تو ضرور آساں ہے۔ مگر تاریخِ سیاست کے بے ہنگام اور زشت یا بدنما واقعات کو ایک آراستہ دلہن اور جاذبِ نگاہ دلہن بنانا کس قدر دشوار بات ہے۔ پروفیسر نکہت کے سر اس فن کارانہ جدت کا سہرا ہے جو غالباً دنیائے فکر و نظر میں ایک جدید

ترین تصنیف پیش کر رہے ہیں۔ زمانہ حاضرہ کے سیاسی خدوخال اور انقلابی نقش و نگار میں دلکش اور تعمیری رنگ بھرنا اور مکانی دور کی جنگ و اسلحہ' گن مشین اور جوہری بم کو دنیائے شاعری میں تابدار لطافتوں اور نزاکتوں کے ساتھ متعارف کرنا' جوئے شیر، ڈانا میٹ اور کوہ کندن کی ایجاد سے کسی طرح کم نہیں۔ صرف نظم کی حیثیت سے جنگ نامہ لکھ دینا مشکل نہیں' مگر رزم و بزم اور واقعات عالم کے نشیب و فراز میں روح شعریت بھرنا بیحد دشوار و کٹھن مرحلہ ہے۔ مثالاً اشتراکی دارالسلطنت ماسکو پر المانی حملوں کا منظر اور ان کی سیاست پر حسن تنقید ملاحظہ ہو

اگرچہ نغمۂ جمہور ساز ملت ہے — مگر سروں میں وہی سوز آمریت ہے
انھیں کے طرز سیاست پہ نشیب و فراز — بنا چکے ہیں زمانے کو اپنا ہم آواز
وہ دن یہ بھول گئے جبکہ اُن پہ حملے تھے — رگِ وجود پہ خونریزیوں کے خنجر تھے
گلی گلی میں تڑپتے تھے بسملوں کی طرح — نگاہ یاس اُٹھاتے تھے بیکسوں کی طرح
کوئی رفیق نہ تھا وقتِ نزع دوش بدوش — چراغِ زیست ہوا چاہتا تھا بس خاموش
بچایا کس نے تمہیں پنجۂ مزاحم سے — قدم جمائے ہیں کس نے مگر عزائم سے
وہ کون تھا صفِ دشمن کو جو اُلٹتا تھا — منٹ منٹ پہ رُخِ جنگ کو پلٹتا تھا

جاپان کی سیرت ملاحظہ ہو

وہ قوم جس کے عقیدے میں شے پرستی ہو — وہ قوم مظہر اصنام کی جو بستی ہو
وہ قوم جسمیں کہ قارونیت کے پہلو ہوں — وہ قوم جسمیں کہ فرعونیت کے جادو ہوں
نہ بن سکے گی سیاست کے راز داں وہ نذیر — کہ اصلیت نہیں ملتی کبھی فسانوں میں!

زیرِ نظر تمثیل ہیں دربارِ الٰہی کو نفسیاتی پسِ منظروں کے ساتھ منعقد کیا گیا ہے تنقیح طلب مسئلہ یہ ہے کہ دنیا اور خونریزی سے لبریز دنیا تباہ و برباد کر دینے کے قابل ہے یا نہیں۔ تمام دنیا کی سلطنتوں کے مختلف نمایندے اس دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ کارکنانِ قضا و قدر پیشکار کا فرض ادا کرتے ہیں۔ یہ رنگ برنگی ترجمان اپنے ملکوں کے معاشی سیاسی اور اقتصادی حالات بیان کرتے ہیں اور یہی ڈرامے کے اداکاروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مرکزِ عدل و انصاف اپنی شانِ وقار کو لئے ہوئے ہر نمایندہ کے مقدمات پر فیصلہ صادر کرتا ہے اور ان کے مستقبل کے متعلق ہدایات کا اعلان ہوتا ہے۔ ہماری جنتِ ارضی ہزار برس کے لئے بچ جاتی ہے۔ پھر یہ سب کاروائی اور عالمگیر کاروائی نثر میں نہیں نظم میں ہوتی ہے اور خدائے برتر کی شانِ وقار اور بندہ کی طرزِ گفتار میں صوری و معنوی آن برقرار رہتی ہے انھیں بیانات میں فلسفۂ اخلاق و انسانیت کے حقائق تنقیداً اور کنایتاً نگینوں کی طرح جڑے ہوئے ملتے ہیں۔ اس موقع پر فلسفۂ اخلاق کے ساتھ سیاست کا حُسن امتزاج ملاحظہ فرمائیں۔ مثالوں میں لطفِ تسلسل نہیں رہتا مگر پھر بھی دعوے کے لئے کچھ ثبوت ضروری ہے۔

تحت الثریٰ سے متعلق نبگی دنیا کے بارے میں تنقید ہو رہی ہے۔

یہ قوم جو کہ ہے تحت الثریٰ میں خاک نشیں — یہ چاہتی ہے بنے سجدہ گاہِ اہلِ زمیں!
یہی جو اپنی مشینوں سے آتش افشاں ہے — سمجھ رہی ہے کہ خلق کی نگہباں ہے
اسے بھی وہم ہے فطرت کی رازدانی کا — علاجِ مرگ ہو کس طرح زندگانی کا

ستم ظریفیِ انسان ہائے کیا کہئے
خیالہائے پریشان ہائے کیا کہئے!
غضب تو یہ ہے کبھی خوگرِ وفا نہ ہوئے
یہ ناسپاس کبھی بندہ رضا نہ ہوئے

غلط کہ دولت و زر مرکزِ ہوس رانی
غلط کہ لعل و گہر مقصدِ جہانبانی!
غلط کہ جذبۂ احساس ہو جنگ کا باعث
غلط کہ جذبۂ عریاں ہو ننگ کا باعث!
غلط کہ حرفِ ستم رازدارِ امن و اماں
غلط کہ برابطِ غم نغمۂ سرورِ جہاں!

ہٹلر سے خطاب ہوتا ہے:

تمدنوں کو مٹاتے نہیں بناتے ہیں
لگے جو آگ تو انسان اسے بجھاتے ہیں!
جہاں میں رازِ ترقی وہی سمجھتے ہیں
انانیت کی جو الجھن میں کم الجھتے ہیں!

داخلی محاکاتِ سیرت نگاری اور اصولِ انسانیت کا معیاری امتزاج ملاحظہ کیجئے۔ انگریزوں پر تنقید ہے۔

یہ قوم صبرِ سیاسی میں شہرۂ آفاق
یہ قوم جس کی سیاست ہے قبضۂ آفاق!
یہ قوم اصلِ جہانبانی و جہاں بینی
یہ قوم جس کی رگ و پے میں ہے نظمِ آئینی!
یہ قوم رہبرِ اقوام و مصلحت اندیش
یہ قوم مظہرِ علم و عمل سیاست کیش!
عیوب انمیں ہیں لیکن ہنر بھی شامل ہیں
یہ اپنے نقص کے انداز میں بھی کامل ہیں!
جمہوریت کو چلاتے ہیں پادشاہی سے
بچا کے رکھتے ہیں دشمن کو بھی تباہی سے!

ان کے نمایندے سے خطاب ہوتا ہے:

عراق و مصر و فلسطین و ہند کا رونا
بصارت اور بصیرت کا نور ہے کھونا
گذر چکی ہوں جو اقوام پست منزل سے
وہ رک سکینگی کہاں تک غمِ سلاسل سے!
جو نکتہ سنج ہو غمخواریوں کے ساتھ رہو
مقامِ صدق میں دلداریوں کے ساتھ رہو!

کسی کے دل میں جو ہو زخم مندمل کردو — مخالفوں کو عنایت سے منفعل کردو
سمجھ رہے ہو جو تم پر زوال آئے گا — جہانِ نظم میں کچھ اختلال آئے گا؟
رُکے زمانہ کسی کے لئے خیالِ محال — تمھارے بس میں نہیں ہے عروج اور زوال!

پھر لطف یہ ہے شعر و شاعری کی قیود و حد بندی کے باوجود تاریخی واقعات سرِمو غلط نہیں ہوتے اور حسنِ بیان کی دلکشی اور جاذبیت میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا۔ زیرِ نظر تمثیل میں پروفیسر نکہت کی دقیق رس نگاہ نے ماضی وحال و استقبال کے تمام واقعات کو بڑی دلچسپ تنقید و ہم آہنگی کے ساتھ پیش کیا ہے ان کی عقل و فکر کی سیاسی دُوربین عرش کے تاروں اور فرش کے گلزاروں کو روشن تر بناتی ہے اور ذوقِ تاریخ و سیاست کو بیدار کرتی ہوئی چلی جاتی ہے۔

پھر ان تفصیلات کے ساتھ اختصار و معنویت اس انداز سے ڈھلی ہوئی نظر آتی ہے جیسے کہ سیپی میں موتی ایران و عرب ہندوستان روس وغیرہ کے اداکار اپنی تمدنی خصوصیت یا کلچرل رنگینیوں کا بہترین نمونہ ہیں تمثیل کی طرزِ ادا یا STYLE موزوں ترین رفعتوں کا مظہر ہے۔ اگر طرزِ ادا ماشاء اللہ تو شاندار موضوع سبحان اللہ اسی ڈرامہ میں خدائی تجلیات ہیں ابلیس کی شیطنت ہے۔ فرشتوں کے پرے ہیں اور اسی کے دربارِ الٰہی میں ایشیائی اور اروپائی اقوام اپنے رنگ برنگ لباسوں اور تمدنی شان کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ یہ سب مناظر کچھ مذہبی و ایشیائی رنگ لئے ہوئے اور کچھ اروپائی مادیات کی آفاقی جھلکیوں پر محیط بن کر ایک طلسماتی

فضا پیدا کرتے ہیں۔ تمثیل بھر میں عظمت و بلند پروازی لطیف طنز و مزاح بلاغت و فصاحت گوشہ گوشہ پر چھائی ہوئی ہے۔ اور پڑھنے والا ذوق سلیم کی دنیا میں ایسا ڈوب جاتا ہے کہ آس پاس بجز مسرت و خوشی اور جذبۂ عروج خودی اور کچھ محسوس نہیں کرتا۔

تمثیل کی سیاسی تلمیحات و اشارات سامنے رکھیئے یا اسکے رزمیہ بزمیہ مناظر یا ان دونوں کی حسین و پر لطف ہم آہنگی و امتزاج۔ ان سب نے مجموعی حیثیت سے تمثیل میں ایک قسم کا فطری پن اور غضب کی سلاست شگفتگی، دلچسپی و سنجیدگی پیدا کر دی ہے جسکو شاعرانہ کمال کا منتہا سمجھیئے۔ رزمیہ مثال ملاحظہ ہو۔ قوم عرب سے خطاب ہے۔

فرات و دجلہ و بغداد فیض گستر ہیں — وہی رطب ہیں وہی نخلِ روح پرور ہیں!
وہی حرم کی فضائیں وہی ہے دشت و جبل — وہی مہار وہ ناقے وہ کاروان و جمل!
یہ اپنے اوج کو قایم نہ رکھ سکے کیونکر — نہ انقلاب طبیعت سمجھ سکے کیونکر!
کہاں وہ خلوت و ایثار و ذوقِ "ذبح عظیم" — کہاں وہ آتشِ نمرود اور ابراہیم!
غرضکہ اُن کو نہ یُوں سُست گام ہونا تھا — جہاں میں تخمِ رسالت انھیں کو بونا تھا
اُنھیں جو تلخیِ غم کے مزے ہی چکھنا تھا — تو اعتماد خدائی مدد پہ رکھنا تھا!
غضب کبھی جو زمانے کو رزق دیتے ہوں — عجب کہ آج وہ کشتی نہ اپنی کھیتے ہوں!
حرارتوں سے قوانینِ زندگی بدلو — ترقیات سے آئینِ زندگی بدلو!

یا ایران کے متعلق سُنیئے:

وہ قوم جس کو ہو اتنا غرور ماضی پر — وہ قوم جس کو مسرت ہو خاک بازی پر!

وہ قوم صرف جو نازاں ہو اپنے آبا پر — وہ قوم جس کی تڑپ ہو بغیر بال و پر!
وہی فضائے نظر میں برنگ تبخالہ — نہا کے خون میں شاید بنے گل لالہ!
اب انکی لذت شیریں کو تلخ کام کرد — اب ان کے قصۂ فرہاد کو تمام کرد

ہاں ڈرامے کے لئے AOTION یا حرکت بھی لازمی عنصر ہے سیاست عالم کی جذباتی روایتی اور عملی روح بالکل فطرتی اور تدریجی رفتار لئے ہوئے ہے قدیم شعریت کا رنگ اور غیر فطری عنصر از اول تا آخر نہیں ملتا۔ ادبی ترنم بھی ارتقائی حیثیت سے رفتہ رفتہ بلندیوں تک پہونچتا ہے اور جذباتی منتہا یا کلائیمکس شیطان کی مردودیت والا دلچسپ منظر ہے جہاں وہ انسانوں کو گالیاں دیکر قدرت کو مشتعل کرنا چاہتا ہے اور خود منہ کی کھاتا ہے۔ دو ایک گالیاں مثالاً ملاحظہ ہوں اسکا پس منظر رزمیہ انداز پر محیط ہے

یہ اژدر ستم و قہر اک قیامت ہیں — یہ ظلم و جہل کی دنیا میں برق آفت ہیں!
جہاں بھی انکے قدم جائیں ملک ویراں ہوں — تفنگ و توپ سے ہر لحظہ آتش افشاں ہوں!
یہ خود پرست یہ سرکش یہ مجرم و باغی — انہیں کے دم سے ہے دنیا فسادی و طاغی!
یہ تیری ذات کو بیکار ہی سمجھتے ہیں — تری صفات کو پندار ہی سمجھتے ہیں!
یہ سوچتے ہیں تری قدرتوں سے ٹکر لیں — جو چاہیں عقل و خرد ہی کے زور سے کر لیں!
ترے بھی علم میں خونریزیاں ہیں یورپ کی — عذاب و قہر مگر آندھیاں ہیں یورپ کی!
یہ ایشیا ہو کہ یورپ جنوب ہو کہ شمال — اگر سگ است یکے دیگر است شغل شغال!
الٹ دے انکے زمین و زماں کو ذی الجبروت — قسم تجھے تری عزت کی مالک الملکوت!

ہندوستان و پاکستان کے متعلق بھی چار شعر ملاحظہ ہوں

طیوریوں بھی چہکتے ہیں باغِ ہستی میں
ہر اک نغمۂ نو کو لئے ہو مستی میں!
اب ان میں زمزمہ پرداز ہو جدا گانہ
نشیمن و پر پرواز ہوں جدا گانہ
بہم نہ ہوں نہ سہی بزمِ زندگانی میں
یہ سانس لیں تو مسرت سے دارِ فانی میں!
اسیرِ رشتہ زنار برہمن بھی رہے
نوائے کلمۂ توحید نغمہ زن بھی رہے

اسی طرح یہ شاندار ڈراما حرکات و سکنات اور ہیجان و عمل کی تدریجی رفتار کو حاصل کرتا ہوا اختتام پر پہونچتا ہے حُسنِ خاتمہ کی فضا حیرت انگیز نفسیاتی سکوت اور سکون میں ڈوبی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ دنیائے تنقید کے سرتاج مسٹر آرنلڈ نے شاعری کی تعریف تنقیدِ زندگی سے فرمائی ہے اگر ہم اس شاعرانہ تعریف کا عملی مرقع یا واقعی مثال تلاش کریں تو پروفیسر نکہت کی سیاست نامہ عالم جو تمثیل اور رزمیہ ادب میں اپنے انداز کی پہلی تصنیف ہے اس تعریف کا مکمل ترین مظہر ثابت ہوگی کاشکہ اس کا ترجمہ مختلف کلاسیکل زبانوں میں جلد ہو تاکہ اربابِ سیاست و ادبیات شاعر کی قوتِ عمل و نظر اور فکر و اجتہاد سے واجبی طور پر متمتع ہو سکیں۔

قیصر الاسلام لکھنوی

مورخہ یکم جنوری سنہ ۱۹۴۹ء

مقدس سے پیغام الٰہی کو نقل کرنے لگتے ہیں۔ اس کے رنگ برنگ حرف
اور نغمہ و ترنم کی دلکش فضا میں اجلاس برخاست ہوتا ہے

بندے اور پیغامِ الٰہی

یہ کس کی ذات ہے وجہِ قیامِ کون و مکاں؟

یہ کس کے بل پہ ہیں گردشِ کناں زمین و زماں؟

یہ رنگ و بو کے مظاہر یہ گردشِ شب و روز

یہ جلوۂ سحر و شامِ انقلاب آموز

یہ پُر شباب بہاریں یہ حُسن و عیش و ترنگ

نگاہِ فیض سے کس کی بنے ہیں خوش آہنگ؟

شعاعِ شمس و قمر ہو کہ تابِ حُسنِ سحر

یہ کس کے نورِ تجلی سے ہیں ضیا گستر؟

نظامِ ارض و سما کس کے بل پہ چلتا ہے؟
ہمیشہ وقت پہ خورشید کیوں نکلتا ہے؟

یہ کون زیست کو بزمِ وجود میں لایا؟
یہ کس نے قلب کی گہرائیوں کو گرمایا؟

وہ موت جس کے تصوّر سے کپکپاتے ہو
اُسے بھی قبضۂ قدرت میں کس کے پاتے ہو؟

جگا کے تم کو سُلاتا ہے کون راتوں میں؟
یہ سحر کس نے بھرا ہے تمہاری باتوں میں؟

وہ کون ہے گل و گلزار جو کھلاتا ہے؟
وہ کون ہے جو دلوں میں سُرور لاتا ہے؟

وہ کون ہے جو ہواؤں کو سازگار کرے
ملا کے خاک میں دانے کو پُر بہار کرے

تمہارے رزق کے خرمن زمین کسکے ہیں
یہ برق و ابرِ دُر افشاں امین کس کے ہیں؟

طیورِ زمزمہ پرواز کیوں چہکتے ہیں؟
یہ غنچہ و گل و اثمار کیوں مہکتے ہیں؟

یہ موج موج سمندر! یہ حسنِ بحر و بر!
یہ سیم و زر کے معاون یہ گنجِ لعل و گہر!

یہ کہکشاں یہ ستارے یہ جنتِ ارضی
تمہاری دل کی تمنّا تمہاری خود مرضی!

یہ کس کے بل پہ ہے بزمِ شہود کی رونق
یہ کس کے دم سے ہے رنگِ وجود کی رونق؟

یہ گرم و سرد یہ نیرنگِ کائناتِ عمل
یہ آہن اور یہ ایجاد ہائے مستعمل

یہ کس کی عقلِ دل افروز نے بنائے ہیں
عروج مجھ سے زمانے میں کس نے پائے ہیں؟

غضب کہ یہ مرے بندے مجھی کو بھول گئے
خودی کے جوش میں اصلِ خودی کو بھول گئے!

سناؤ اُن کو یہ میرا پیامِ معنیٰ خیز
نہیں ہے دور قیامت کا صورِ غم انگیز

مرے نظام کو مختل نہ کر سکو گے کبھی
گرے گی تم پہ تمہارے جنون کی بجلی!

منظر (۳)

مقام:- ہمالیہ کی سر بفلک چوٹیاں
زمانہ:- وسطِ جنگ

ایک پہاڑ کی چوٹی پر شام کا دھندلکا چھا رہا ہے۔ دربارِ عدالت کے مرکزی خیمہ کے آس پاس بہت سے خوشنما خیمے لگے ہوئے ہیں جن پہ ملکوں کے نام جلی قلم سے لکھے ہوئے ہیں ایک طرف کے عمیق و تاریک غار میں جہنم شعلہ افشاں ہے۔ اور فرعون و نمرود اور منکرینِ خدا پر عذاب نازل ہو رہا ہے۔ مگر خیمۂ عدل کے سیدھی طرف باغات اور نہریں پھول اور غنچے اور نور و نکہت کی سرمستیاں ہیں۔ اور حدِ نگاہ تک گل و گلزار اور نغمۂ پر بہار موجزن ہے۔ سامنے کے نشیبی میدان میں اقوامِ عالم دربارِ الٰہی کے نمائندوں کی امتیں ہنگامہ آرائے زندگی ہیں۔ اس آدمیوں کے ...... جنگل میں جنگ و طوفان شور و غوغا اور فتنہ و فساد کے آتشیں بادل برس رہے ہیں۔ یورپ زدہ سلطنتوں کے نمائندے جس میں جرمنی و اٹلی امریکا اور انگلستان، روس اور جاپان شامل

ہیں۔ آتشیں توپوں اور جوہری بموں کے شراروں کو دوربینوں سے دیکھ رہے ہیں

ایشیا والے چپ چاپ سہمے ہوئے مرکزی خیمے کے حکم کا انتظار کر رہے ہیں۔ اُن میں عرب وایران، ہندوستان اور جاپان و ترک و افغان شامل ہیں اور شکست خوردہ قوم کی طرح افسردہ و پژمردہ ہیں

وقت مقررہ پہ باب عدالت کھلتا ہے۔ نمایندے عجلت کے ساتھ باریاب ہونے لگتے ہیں جن کے لئے نشستگاہیں متعین ہیں

جب تمام نمایندے جمع ہو جاتے ہیں تو کرسی عدالت پہ نور انگیز پھولوں کی بارش نظر آتی ہے۔ کور باطن ان تجلیات کی تاب نہیں لاتے ہیں اور آنکھیں بند کر لیتے ہیں

کرسی عدل حکم دیتی ہے کہ آج کے اجلاس میں محوری قوتوں۔ جرمنی و اٹلی کے نمایندوں کو پیش کرو تاکہ دربار الٰہی کے ارکین اور مقرب انسان اُن کے حالات سُن کر ایک رائے قائم کر سکیں

کارکنان قضا و قدر ایک سیاہ بورڈ پہ "جرمنی" کا لفظ لکھ دیتے ہیں اور پہلا مقدمہ پیش کرتے ہیں

کارکنانِ قضا و قدر

تیرے جلال کی مظہر یہ قوم فرش نشیں

یہ سوچتی تھی کہ دنیا میں ہو گی عرش نشیں!

غیور بھی تھی شجاعت میں بھی یگانہ تھی
فریب و مکر کے حق میں بھی تازیانہ تھی

اسے گلہ ہے مشیت کی قہرمانی کا
اجل نے گھونٹ دیا کیوں گلہ جوانی کا!

بلند و پست زمانے میں گرچہ توام ہیں
مگر انھیں کے مزاجوں سے کیوں تو ہم ہیں؟

آوازِ عدالت :۔ "اس قوم کے نمایندے کو پیش کرو"
ہال کی آخری صفوں میں سے ایک شخص خاکی سوٹ میں ملبوس برہنہ سر، بکھرے ہوئے بال، پراگندہ حال، پیشانی پر گھنڈیاں اور جسم پر آگ کے داغ لئے ہوئے بڑھتا ہے اور عدالت کے ایک کٹہرے میں اپنا بیان دینا شروع کرتا ہے۔

نمایندۂ جرمنی

مرے جنون کی شورش میں اب بھی طوفاں ہے
کہ میری قوم کی رگ رگ میں جوش پنہاں ہے!

مرے اصول تھے جمہوریت کے سخت خلاف
تجھے پسند نہ تھے یہ مرا قصور معاف!

یہ میری قوم جو محکوم و پا بجولاں ہے
یہی جو آج رہینِ قیودِ زنداں ہے

یہ گل کھلائے گی عالم میں خوں فشاں بنکر
مرے عروج کی رنگین داستاں بن کر!

مرے عدو جو انھیں ظلم سے مٹا دیں گے
ترے اصولِ عدالت انھیں سزا دیں گے

ترے حضور میں اقرارِ جرم کیوں نہ کروں
جبینِ عجز کو کس طرح سرنگوں نہ کروں!

قصور قوم کا کچھ بھی نہیں خداوندا
میں اپنے زعمِ "انا" سے ہوں خود ہی شرمندہ!

قائد جرمنی واپس ہوتا ہے۔ کرسی عدالت سے ایک آواز بلند ہو کر تمام

قوم سے مخاطب ہوتی ہے

عدالت کی آواز

یہ جرمنی جو تمرد سے جاں گسل ہوکر
یہ جرمنی جو مٹا لقمۂ اجل ہوکر
خود اپنے جذبۂ ہیجان کا شکار رہا
خود اپنے ظلم سے دل اُسکا داغدار رہا
یہ ناصبور، یہ آمر، یہ خودسر، و آثم
یہ جلد باز جو ہے خودکشی کا بھی مجرم
سمجھ رہا تھا مگر کھیل جنگ و خونریزی
اسی کے سر پہ چلے کیوں نہ تیغ چنگیزی!
تمدنوں کو مٹاتے نہیں بناتے ہیں!
لگے جو آگ تو انساں اُسے بجھاتے ہیں!

عروج و ذلتِ الماں مرا کرشمہ تھی
یہ میرے صورِ قیادت کا ایک نغمہ تھی
میں چاہتا تھا کہ کچھ موذیوں کا سر کچلے
بخار دل کا گھٹے اور جوئے خوں اُبلے

جو چاہیں رفعت و عزت وہ اہلِ صبر بنیں
نہ اہلِ قہر بنیں اور نہ اہلِ جبر بنیں!
جہاں میں رازِ ترقی وہی سمجھتے ہیں
انانیت کی جو اُلجھن میں کم اُلجھتے ہیں
اگر شکیب سے اس قوم کا ہو دل معمور
تو پھر نصیب ہوں اسکو عروج و عیش و سرور!

آوازِ عدالت کے ختم ہونے پر کارکنانِ قضا و قدر اسی سیاہ بورڈ پر لفظ "اطالیہ" لکھدیتے ہیں۔ کوئی شخص بنچوں پر سے اُٹھتا ہوا نظر نہیں آتا۔ مگر لوگ انتظار میں اُچکنے لگتے ہیں۔

کرسیِ عدالت سے حکم ہوتا ہے۔ ذرا ٹھیرو ..... تھوڑی دیر میں

ایک جھلسے ہوئے کٹھرے کی زمین شق ہوتی ہے جس میں سے ایک آتشیں گولا اُبھر کر آہستگی سے شق ہوتا ہے اس کی اُڑنے والی چنگاریوں کو عدالت کے معصوم چپراسی بُجھانے لگتے ہیں کہ ایک بیم و شحیم شخص غرور کا مجسمہ سیاہ سوٹ میں ملبوس اپنی قوم پر بپھرے ہوئے انداز سے سر اُٹھا کر تنقید کرتا ہے۔

نمایندۂ اطالیہ

میں اپنی قوم کی غداریوں سے نالاں ہوں
میں اِنکی عیش پسندی کا مرثیہ خواں ہوں

جہانِ حُریت و انقلاب روشن ہو!
تباہ تیرے غضب سے غرورِ دشمن ہو!

(حریفوں کی ایک بیچ کی طرف اشارہ کر کے)

وہی جو ہمیں گرا کر یہ بجلیاں خوش ہے
برہنگی کی لگا کر جو دھجیاں خوش ہے

جو حرص و آز کا پنجہ دراز کرتا ہے
شرارتوں سے درِ فتنہ باز کرتا ہے

یہ بازی باز ہیں شاطر ہے لوٹ مار ہیں فرد
منافقت میں سیاست کے بیوپار میں فرد
کبھی یہ دشمنِ جاں دوستی کے پردے میں
کبھی یہ دوست مگر دشمنی کے پردے میں

(نمایندۂ جرمنی کی طرف اشارہ کرکے)

مرے بیان پہ میرے رفیقِ کار گواہ
کہ دشمنوں سے ہوا ہے جہانِ امن تباہ
وہ بات کیا ہے جو ان کی پسند آئی ہے
خیالِ امن و اماں کی تجھے دہائی ہے!
ستم ظریف یہ جب پھانسیاں بھی دیتے ہیں
تو حفظِ امن و تمدن کا نام لیتے ہیں!
بغیر تیری مشیت کے کچھ نہیں ممکن
تو ہی ہے مالک و فرمانروائی انس و جن

بس اتنی بات عدالت میں اور کہنا ہے
عذابِ قوم مگر آمروں کو سہنا ہے
یہ جرم قوم کا ہرگز نہیں ہمارا ہے
اور اس کے ساتھ مشیت کا بھی اشارا ہے

اس کی خاموشی پر کرسیٔ عدل نمایندۂ قوم سے خطاب کرتی ہے۔

عدالت کی آواز

اطالیوں کو حریفوں سے کیوں شکایت ہو
مزاجِ قوم جو مرہونِ عیش و عشرت ہو!
کہاں رباب پرستی کہاں جہانبانی!
کہاں جگر کی ضیافت کہاں گل افشانی!
عمل کا ردِّ عمل فطرتاً مسلّم ہے
انھیں کے مکر سے زلفِ زمانہ برہم ہے
جو بدنصیب ہوں فیضانِ روح سے محروم

حقائق ان کی نگاہوں میں کیوں نہوں معدوم!

یہ سب و شتم، یہ مکر و فسوں، یہ عیاری
جہانِ عقل میں ہے بزدلی و ناچاری

بجا سہی کہ سب انکے حریف شیطاں ہیں
ہوا و حرص و ہوس میں یہ مرد میداں ہیں
مگر یہ اپنے مصائب کو اک نظر دیکھیں
سروں کو اپنے گریباں میں ڈال کر دیکھیں

مشیت اپنے اشاروں سے خوب واقف ہے
یہ جانتی ہے کہ دشمن بھی کیوں مخالف ہے!
سفارش ان کی ہے جرمن کے حق میں نامقبول
گناہ ایک کا ہو دوسرے سے کیوں مسئول؟

نہیں جو قوم میں آثارِ زندگی باقی!!!
تو کیا کریں گے یہ مخمور و فلسفی ساقی!

گذشتہ عظمتِ اسلاف ان کو سمجھا دو
انھیں کی لغزشِ پا سے انھیں کو شرما دو

اس بیان کے سُننے کے بعد آتشیں گولہ اطالیہ کے اس نمائندے کو پھر بند کر لیتا ہے۔ حاضرین تعجب انگیز فضا میں ڈوب جاتے ہیں۔

کارکنانِ قضا و قدر اعلان کرتے ہیں کہ کل جمعہ کے روز اسی دربار میں اسی وقت جاپان و روس کا بیان سُنا جائیگا۔ اب اجلاس برخاست ہوتا ہے۔

منظر ۳

مقام ہمالیہ کی سر بفلک چوٹیاں

جمعہ کے روز آفتاب کے غروب ہوتے ہی خیمۂ انصاف و عدل کے آس پاس چہل پہل ہے۔ مختلف قوموں کے نمائندے عربی و ایرانی، انگریزی و روسی ترکی و افغانی لباس میں جاپانی و روسی بیانات سننے کے لئے بیتاب ہیں۔ سرد ہوائیں فرّاٹے لے رہی ہیں۔ موسم غیر معتدل ہے۔ کوہ سے ملے ہوئے سمندر کی موجوں میں طوفانی کیفیت ہے۔ سامنے والے میدان کو مناظر پر جب یہ نمائندے نظر ڈالتے ہیں تو اُن کے دل لرزنے لگتے ہیں۔ آتش فشاں پہاڑ اور زلزلہ نما چٹانوں کے اُڑتے ہوئے پتھروں سے اُن کے دل دہل رہے ہیں۔ وقتِ مقررہ پر بابِ عدل و انصاف کھلتا ہے۔ نمائندے داخل ہو کر اپنی نشستگاہوں پر

بیٹھ جاتے ہیں۔ یکایک کرسی عدل پر مشیت الٰہی متمکن ہوتی ہے اور ایک انوکھے نور سے مقربین الٰہی کے چہرے شگفتہ اور منور ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ کارکنانِ قضا و قدر دست بستہ ہو کر ایک نیلے بورڈ پر لفظ "جاپان" لکھ دیتے ہیں جس کو دیکھ کر ایک شخص وسط کی پنچوں سے پنجوں کے بل اُٹھتا ہے۔ اُسکے رخسار گندمی اور ناک چپٹی ہے اور چہرے پر گھبراہٹ کے چلنے کے ساتھ ہر براہٹ اور بھنبھناہٹ سنی جاتی ہے۔ یہ کٹہرے میں کھڑا ہوتا ہے اور کارکنانِ قضا و قدر کے اشارہ سے اپنا بیان شروع کر دیتا ہے۔

نمایندۂ جاپان

مجھے بھی ساتھ مرا یار مجھکو لے ڈوبا
یہ میری قوم کا صبر و قرار لے ڈوبا
عروج میرے رفیقوں کا کیا قیامت تھا
مگر زوال بھی واللہ درسِ عبرت تھا
میں ایشیا کی حکومت کے خواب ہی دیکھا
کھلی تو آنکھ مگر پیچ و تاب ہی میں رہا!
یہ فوج اور یہ لشکر یہ میری قوم جری!

یہ میرے بحر کی وسعت یہ قوتِ برّی[1]
انھیں مٹائے کسی غیر کی مجال نہ تھی
کسی طرح بھی مجھے دہشتِ زوال نہ تھی

مرا حلیف غضب آفتِ زمانہ تھا
سمندِ ناز پہ گویا وہ تازیانہ تھا!
مرے ہی جوش نے گرما دیا تھا برما کو
نچا رہا تھا مرا خوف ساری دنیا کو
مرے ہی خوف سے ہندوستاں بھی لرزاں تھا
مرے ہی قوم سے "نیویارک" بھی ہراساں تھا
مگر ہے سخت تعجب ہمیں شکست ہوئی
ذرا سی گیند[1] سے ہمت ہماری پست ہوئی
خدا گواہ کہ یہ گیند کوئی چیز نہ تھی
لڑائیوں میں ہمیں جان تک عزیز نہ تھی!

---

[1] ایٹم بم سے مراد ہے۔ [2] برعایت شعری

غلط ہے یہ کہ یہ دنیا ہے عالمِ اسباب
ہماری قوم ہوئی بے سبب ہی نذرِ عتاب
ہمیں گلہ ہے نہ جرمن نہ امریکا سے
گلہ ہے فیصلۂ بارگاہِ والا سے!

جاپانی نمائندہ کی واپسی پر ہندوستانی بنچوں سے کچھ آوازیں تالیوں کے ساتھ بلند ہونے والی تھیں کہ کارکنانِ قضا و قدر نے ہیبتناک انداز میں لفظ "خاموش" کہا جب مجلس میں مکمل سکوت پیدا ہو گیا تو کرسیٔ عدل اہل جاپان سے مخاطب ہوئی

عدالت کی آواز

یہ قوم جسکو خلش اپنی قوم[1] ہی سے رہی
کہو یہ اُس سے کہ "کے آمدی و پیر شدی"
غلط ہے یہ کہ اسے "یارِ غار" لے ڈوبے
تباہیوں کا سبب ہیں اسی کے منصوبے
یہ ایشیا کی حکومت کا خواب کیا معنی!

---

[1] چینی افراد

پڑوسیوں پہ یہ چشمِ عتاب کیا معنی!
وہ ملک جو کہ مذاہب کا آستانہ ہو
عذابِ جنگ و مظالم کا کیوں نشانہ ہو
صنم پرست موحدّ پہ ترک و تاز کریں
یہ دستِ ظلم غریبوں پہ کیوں دراز کریں؟
وہ قوم جس کے عقیدے میں شئے پرستی ہو
وہ قوم مختلف اصنام کی جو بستی ہو
وہ قوم جس میں کہ قارونیت کے پہلو ہوں
وہ قوم جس میں کہ فرعونیت کے جادو ہوں
نہ بن سکے گی حقیقت کے رازدانوں میں
کہ اصلیت نہیں ملتی کبھی فسانوں میں!
یہ فوج اور یہ لشکر یہ قوتِ بحری!
تجارتوں کی یہ وسعت یہ فطرتِ قہری!

نہ کام آئی کسی کے نہ کام آئے گی!
الٰہیت سے پیامِ فنا ہی لائے گی!

ترے یہ زعم کی قوت یونہی دھری ہی رہی
ہمیشہ اصلِ مشیت ہری بھری ہی رہی

جو زلزلے[1] بھی نہ ہوں تازیانۂ عبرت
اُٹھے نگاہ سے کس طرح پردۂ غفلت!

ذرا سی گیند تباہی کا جو بہانہ ہے
سمجھ میں آئے تو یہ دوسرا نشانہ ہے

(کارکنانِ قضا و قدر کی طرف متوجہ ہو کر)

جمہوریت[2] سے یہ ظالم شعار زندہ ہو
ابھی کچھ اور دنوں "آرتھر[3]" کا دورہ ہو

کمانڈر میک آرتھر کا نام آجانے سے اتحادیوں کی پارٹی میں ایک اہتزازی لہر دوڑ گئی۔ ادھر جاپانی نمائندہ نے جمہوریت کے عقیدے پر سر جھکایا اور عقیدت کے طور پر دربارِ الٰہی میں سجدہ کیا۔ ادھر کارکنانِ قضا و قدر نے ایک

---

[1] زلزلہ جاپان سنہ ۱۹ء [2] بتصرف شعری [3] میک آرتھر سپریم کمانڈر آف جاپان

بورڈ پر ایک سُرخ بھیڑئیے کی شکل بنادی ۔ نمایندے متحیر ہیں کہ بھیڑیا کیسے بولیگا! جنگ کے انسان نما دیوتا خاموش ہیں کہ جہنم والے کھڈ کی طرف سے ایک جانور آتا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔ اُسکا سر انسان کا اور جسم جانور کا ہے ۔ کارکنان قضا وقدر خطاب کرتے ہیں کہ "ڈرو نہیں اسے آنے دو" اِدھر یہ عدالت کے کٹہرے میں داخل ہوکر اپنی خونخوار آنکھوں کو اِدھر اُدھر گردش دیتا ہے ۔ اور ادھر ایک نقیب پہلے بورڈ پر تصویر کے اوپر "اشتراکیت" لکھ دیتا ہے ۔ ایشیا والوں کی بنچوں سے "شیم شیم" کی آوازیں بلند ہوتی ہیں ۔ اور فضا پر سکوت چھا جاتا ہے

کارکنان قضا وقدر :- اے خونخوار بول ! قدرت الٰہی بین الاقوامی سیاست کا راز سمجھانے کے لئے تجھ کو قوتِ گفتار بخشتی ہے ۔ پہلے یہ ان بنچوں کی طرف داد طلبی کی نگاہ سے دیکھتا ہے ۔ جو شیطانی پارٹی کے لئے مخصوص ہیں ۔ پھر جھٹکوں کے ساتھ اپنا بیان شروع کرتا ہے ۔

نمایندۂ اشتراکیت

ترے نظام پہ مجھکو نہ اعتماد رہا
میں کائنات میں سرچشمۂ فساد رہا

حاضرین :- شرم شرم ۔ شرم شرم ۔

یہ جرمنی ہو کہ امریکہ یا وجودِ فرنگ
اب اُن کے ساز کے نغمے ہوئے ہیں بے آہنگ!

یہ اصلیت سے ہیں واللہ یونہی بیگانہ
مرے دماغ میں جیسے کہ تیرا افسانہ

اصول ہیں انھیں اقوام کے بنائے فساد
وہی پرانے زمانے کی لَے وہی فریاد!

کہیں ہیں مذہب و ملّت کے قصۂ بیسود
بنے ہیں دولت و حرص و ہوس کہیں معبود!

کہیں جنونِ شہنشاہیت کے غمزے ہیں
کہیں خرابیٔ فسطائیتؐ کے رونے ہیں!

کہیں پرستشِ سرمایہ زندگانی ہے
لہو غریب کا ہے جامِ ارغوانی ہے!

مرے خیال میں ہاں انقلابِ عالم تھا

ؐ فاشزم

نظامِ کہنہ و فرسودہ مجھ سے برہم تھا!
جہانِ نو کو بنانا تھا اور بنانا ہے
بگاڑ کر تری دنیا کو پھر بنانا ہے!

بجا سہی کہ میں خونریزیوں کا مخزن ہوں
بجا سہی کہ میں بربادیوں کا مسکن ہوں
بجا سہی کہ زمانہ ہے مجھ سے چیں بجبیں!
مگر ہے نگاہ بھی مجھ سے گل سرور آگیں!

مزاجِ دہر میں گو کیکپی سی ہے لیکن
بغیر اسکے ہے تجدید و نظم ناممکن!
یہی جو آج مجھے دیکھتے ہیں نفرت سے
نگاہیں اُن کی بدل جائیں گی محبت سے!

جو تو یہ چاہے کہ برہم نہ ہو نظامِ جہاں
محال عقل ہے یہ انقلابِ کون و مکاں!

ترے بھی ذہن میں ہرگز نہیں وہ عہدِ عتیق
وگرنہ کیوں ہو مشیت مری رفیق و شفیق
محال ہے کہ نہ ہوں منقلب یہ لیل و نہار
خزاں کے ساتھ ہی توام ہیں مژدہائے بہار
قصور میری جماعت کا ہے مجھے معلوم
سمجھ رہے ہیں خدا کو فنائے موہوم
مگر یہ جرم فقط عارضی تماشا ہے
ترے بھی علم میں اس مصلحت کا منشا ہے
نہ مانیں تجھ کو یہ بندے تو کس کو مانیں گے
یہ اپنے خالقِ مطلق کو کیوں نہ جانیں گے!
بدل رہا ہے زمانہ اگر بدلنے دے
طلائے خام کو تجھ کر ذرا نکلنے دے!

اس بیان پر شیطانی بنچوں سے ایک قہقہے کی آواز بلند ہوتی ہے

جس "کو آرڈر" کی آواز خاموش کر دیتی ہے۔ سامنے فضا میں ایک سیاہ لکۂ ابر سے ایک آتشیں پیکر اترتا ہوا دکھائی دیتا ہے جو ایک معمر شخص ہے۔ یہ اپنے ساتھ تاریکیاں اور طوفانِ برق و باراں لیئے ہوئے آتا ہے۔ اور دروازے سے باریابی کی اجازت لینے کے بعد داخلِ عدالت ہو کر اپنی مقررہ نشست پر بیٹھ جاتا ہے۔ اسکی آمد سے آدم و حوا کی نسلوں پر ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں یہ اپنی لمبی سی داڑھی اور بڑی بڑی مونچھوں اور کلپک پر ہاتھ پھیر جھوٹے اور نمائشی طنطنہ کیساتھ بیٹھ جاتا ہے۔ کرسیِ عدالت کی سفید روشنی سُرخی سے بدل جاتی ہے۔ اور جلالی شان کے ساتھ طنزیہ انداز میں خطاب ہوتا ہے۔

آوازِ عدل

یہ انقلاب کا مخزن یہ شور و شر والے!

یہ اشتراک پسندی کی مے سے متوالے!

یہ بزم و رزم کے مصلح مجددِ عالم!

بنائیں گے یہی دنیا کے گیسوئے برہم!!

اگرچہ نغمۂ جمہور سازِ ملت ہے

مگر سُروں میں وہی سازِ آمریت ہے

غریب ان کی قیادت میں شاد رہتے ہیں
یہ طرفگی ہے کہ با اتحاد رہتے ہیں!

انھیں کا ملک ہے جسمیں کہ سامراج نہیں
مصیبتِ شکم و فقر و احتیاج نہیں

انہیں کے طرزِ سیاست کے یہ نشیب و فراز
بنا چکے ہیں زمانے کو اپنا ہم آواز

نظامِ نو کے یہ قائل مرے ہی بندے ہیں
اگرچہ ان کے عقائد بہت ہی گندے ہیں

سمجھ رہے ہیں یہ مذہب کو ایک افسانہ
غضب کہ ہیں ابھی توحید سے یہ بیگانہ!

بلا کی ان میں سیاست بلا کی ہے تنظیم!
مگر خدا سے یہ انکار ہے گناہِ عظیم!

وہ خلق ہو نہیں سکتی کبھی سعید و رشید

وجودِ خالقِ عالم کی جو کرے تردید

وہ دن یہ بھول گئے جب کہ ان پہ چرکے تھے

رگِ وجود پہ خونریزیوں کے چرکے تھے

گلی گلی میں تڑپتے تھے بے بسوں کی طرح

نگاہِ یاس اُٹھاتے تھے بے کسوں کی طرح

کوئی رفیق نہ تھا وقتِ نزع دوش بدوش

چراغِ زیست ہوا چاہتا تھا بس خاموش!

شکست پر وہ شکست اور وہ دشمنِ قاتل

سپاہ و فوج بھی پسپائیوں پہ تھی مائل

بچایا کس نے انھیں "پنجۂ مزاحم"[1] سے

قدم جمائے ہیں کس نے مگر عزائم سے

وہ کون تھا صفِ دشمن کو جو اُلٹتا تھا

منٹ منٹ پہ رُخِ جنگ کو پلٹتا تھا

---

[1] حملۂ المانی بر ماسکو

انھیں کے ساتھ شہنشاہیت پسند رہے
عجب یہ ہے کہ بہم آتش و سپند رہے
ابھی جو ہوش میں آجائیں تو غنیمت ہے
وگرنہ حسرتِ فرداِ ستم قیامت ہے

(اشتراکی نمائندہ سے مخاطب ہوکر)

تمہارے جرم کا اقبال ہوگیا مقبول
کہ انقلابِ جہاں ہے قدیم سے معمول
جہانِ زیست میں نازِ بلند و پست بنو
خداپرست بنو ہاں خداپرست بنو

کرسی عدل سے یہ بیان ختم ہوتے ہی آتشیں پیکر طوفانِ برق و باد و باراں کو ساتھ لئے ہوئے دربارِ الٰہی سے رخصت ہوتا ہے۔ سرخ روشنی آہستہ آہستہ ہلکی ہونے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ تمام حاضرینِ عدالت سے رخصت ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کارکنانِ قضا و قدر اعلان کرتے ہیں کہ "آیندہ سینیچر کی شب کو اسی ہال میں اسی وقت انگلستان اور امریکہ کے

لہ مپر لیسٹ

نمایندوں کا بیان سنا جائیگا۔ مجلس برخاست کی جاتی ہے"

منظر ۴

مقام:۔ ہمالیہ کی چوٹی

آخر جنگ میں ۱۹۴۶ء

آج کی رات میں فضائے نیلگوں سے چاندنی کی مہانی بارش ہو رہی ہے۔ ہواؤں میں خوشگوار خنکی ہے۔ عدل و انصاف کے مرکزی خیمہ پر جگنوؤں کی بیشمار قطاریں جھلمل کر رہی ہیں۔ سمندر سے لگے ہوئے کنارۂ کوہسار پر کچھ لوگ سرگرم گفتگو ہیں۔ یہ مصروفِ خرام ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کسی مجلس میں شرکت و تقریر کے لئے تیاری کر رہے ہیں

یکایک خیمۂ عدل و انصاف کی چوٹیوں پر سے ایک روشنی کا مینار چاروں طرف روشنی پھینکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ گویا کہ حاضریٔ عدالت کا یہ اطلاعی سگنل ہے۔ خیمۂ عدل کا دروازہ کھلتے ہی قوموں کے نمایندے ہال میں جلوہ افروز ہونے لگتے ہیں

آج کرسیٔ عدل پر مشیت کا انعکاس تسبیح و تہلیل کے دلکش نغموں سے محسوس ہوتا ہے مقربین الٰہی سُبحَانَ رَبِّکَ رَبِّ العِزَّتِ عَمَّا یَصِفُونَ کا ورد ختم کرتے ہیں۔ اِدھر کارکنانِ قضا و قدر ایک نیلے بورڈ پر قرمزی رنگ میں "انگلستان" لکھ دیتے ہیں جس کو دیکھتے ہی ایک ۷۵ برس کا بوڑھا فاتحانہ غرور کی چھڑی

ہاتھ میں لیئے ہوئے بیان دینے کے لئے اُٹھتا ہے۔ اس کی شکل اور پیشانی سے سیاست دانی مع قدامت پسندی ٹپک رہی ہے چند لامعلوم الاسم نوجوان قومی ترجمانی سے اسکو روکنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ اپنے تیوروں سے ان کو جھڑکتا ہوا اور انگوٹھا دکھاتا ہوا دربار عدل کے کٹھرے میں جا کھڑا ہوتا ہے عدالت سوال کرتی ہے کہ یہ تم کو روکنے والے کون تھے۔ یہ مسکرا کر جواب دیتا ہے اور استقلال کے ساتھ اپنی قوم کی ترجمانی کرتا ہے۔

نمایندۂ انگلستان

یہ نوجواں جو مجھے روکتے تھے آنے سے
پلٹ چکے ہیں مگر گردشِ زمانے سے!
یہ بھول بیٹھے ہیں خود اپنی زندگی کا نظام
یہ چھینتے تھے مری فکر و عزم کی بھی زمام!
یہ میری قوم کے افراد سخت کوش و صبور!
یہ نرم و گرم کا مظہر، یہ دیر باز و غیور!
گذشتہ دورِ سیاست کو بھول بیٹھے ہیں
وہی جو فرع تھے بنکر اصول بیٹھے ہیں!

یہ میری قوم کے افراد فاتح دشمن
یہ بر و بحر کے مالک، یہ نازشِ لندن
یہ گرم رو یہ سُبک سیر مصلحت اندیش
وہی کہ جن کا تمدن ہے مملکت اندیش!
وہی کہ جن کی حکومت ترے جہان پہ ہے
وہی کہ جن کی نظر فرش و آسمان پہ ہے
وہی کہ نوش کو ہمراہ نیش رکھتے ہیں
وہی جو غیر کو ہمراہِ خویش رکھتے ہیں
وہی جو بزم شبستاں میں ہیں "نیاز و سرور"
وہی مصاف میں جو ضربِ آہنی بھرپور
توازن ان کے دماغوں میں آج کیوں کم ہے؟
یہ بات کیا ہے کہ پچھلا نظام برہم ہے؟
سمجھ رہے ہیں یہ دشمن کو رازداں اپنا

چھپا کے خنجرِ رنگیں و خوں فشاں اپنا!
عجب نہیں کہ یہ آزادیوں کو رو بیٹھیں
عراق و مصر فلسطین و ہند کھو بیٹھیں!

یہ مانتے نہیں افسوس میری باتوں کو
سمجھ رہے ہیں تماشا عدو کی گھاتوں کو
یہی بتائیں کہ لندن بچا لیا کس نے؟
جہانِ ظلم کو نیچا دکھا دیا کس نے؟

مخالفت مرے منصوبۂ قیادت سے
عجیب بات ہے اس قومِ ذی بصارت سے!
یہ عرض ہے کہ جو ان پر زوال آئے گا
تو کائنات میں پھر اختلال آئے گا

بچا دے میری سفارش سے میری اُمّت کو
معاف کر کے مری جرأت و جسارت کو

اس بیان کے ختم ہوتے ہی ایک نوجوان پارٹی کی بنچوں سے قہقہہ کی آواز بلند ہوتی ہے۔ بڈھا آزردہ خاطر ہو کر اپنی نشست گاہ کیطرف بڑھتا ہے جب یہ شیطانی بنچوں اور راشٹر آئی جماعت کی صف سے گذرتا ہے تو ایک دوسرا قہقہہ اس کے چہرے کو پژمردہ بنا دیتا ہے۔ مگر یہ انگوٹھا دکھا کر اپنی جگہ پر بیٹھ جاتا ہے۔ اس قہقہہ بازی پر عدالت کی طرف سے کوئی تہدید نہیں ہوتی۔ تھوڑی دیر بعد فضائے عدالت میں سکون ہو جاتا ہے تو کرسی عدل سے خطاب ہوتا ہے۔

آوازِ عدالت

یہ قوم جس کی سیاست ہے قبضۂ آفاق
یہ قوم صبرِ سیاسی میں شہرۂ آفاق

یہ قوم چشمِ جہاں بانی و جہاں بینی
یہ قوم جس کی رگ و پے میں نظم آئینی

یہ قوم رہبرِ اقوام و مصلحت اندیش
یہ قوم مظہرِ علم و عمل سیاست کیش!

عیوب ان میں ہیں لیکن ہنر بھی شامل ہیں
یہ اپنے نقص کے انداز میں بھی کامل ہیں!

جمہوریت کو چلاتے ہیں بادشاہی سے
بچا کے رکھتے ہیں دشمن کو بھی تباہی سے!

(نمائندہ کی طرف اشارہ کے ساتھ جو فوراً ہمہ تن گوش ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے)

تمہیں گلا ہے پرانا نظام کیوں بدلے
یہ دورِ کہنہ و ساقی و جام کیوں بدلے!

جو بڑھ چکے ہیں وہ بڑھتے رہیں قدم بقدم
کسی طرح بھی نہ ہو اقتدارِ ملت کم

جو آج زیرِ قیادت ہیں کل بھی قید رہیں
جو آج زیرِ سیادت ہیں کل بھی صید رہیں!

تمہیں یہ ڈر ہے کہ پرزے نہ سلطنت کے ہوں
مجھے خیال! یہ محبوبِ اہلِ عظمت ہوں

گزر چکی ہوں جو اقوام پست منزل سے
وہ رک سکینگی کہاں تک غمِ سلاسل سے!

عراق و مصر و فلسطین و ہند کا رونا
بصارت اور بصیرت کا نور ہے کھونا

یہ دستِ حرص یہ دندانِ آز و پائے ہوس
بنا رہے ہیں تمہیں بھی تو مبتلائے ہوس

ضرور ہے کہ تم اپنے عیوب کو جانو
جو معتبر ہو عدم اعتماد پہچانو

جو نکتہ سنج ہو غمخواریوں کے ساتھ رہو!
مقامِ صدق میں دلداریوں کے ساتھ رہو!

تمہارا حسنِ سیاست ابھی مسلّم ہے
اگرچہ طبع جہاں لغزشوں سے برہم ہے

کسی کے دل میں جو ہوں زخم مندمل کردو!

مخالفوں کو عنایت سے منفعل کر دو!

سمجھ رہے ہو جو تم پہ زوال آئے گا
جہانِ نظم میں کچھ اختلال آئے گا
رُکے زمانہ کسی کے لئے غلط خیال محال!
تمہارے بس میں نہیں ہے عروج اور زوال!
بلند و پست و کم و بیش و زندگی و ممات
ہمارے قبضۂ قدرت میں ہیں یہ جملہ صفات
خود اپنے حق میں جو کمزوریوں کے قائل ہو
تو کیوں نہ جوہرِ ہستی میں فردِ قابل ہو!

عدالت کے اس جواب پر لوگ متحیر سے ہیں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بورڈوں پر نظر ڈال رہے ہیں کہ انگلستان کے بعد امریکہ کا نمائندہ بلایا جائے گا مگر مشیت سے اشارہ نہ پاکر کارکنانِ قدر عرض کرتے ہیں۔

کارکنانِ قضا و قدر

عصنو دوالا کے حکم کے مطابق سرزمین یورپ کے اہل دول اپنے بیانات پیش کر چکے۔ اب اجازت ہو تو زمین کے نیچے رہنے والی حکمران سلطنت کو طلب کیا جائے۔ اسپر تمام شکست خوردہ قوموں کا سنگین الزام یہ ہے کہ اسی کے آتشین اسلحہ اور دولتِ قارون نے موجودہ جنگ کو زیادہ بھڑکایا اور کروروں نفوس کو آگ کا ایندھن بنایا

مخالف پارٹیاں نعرہ لگاتی ہیں "بیشک اسے آگ کا ایندھن بنایا جائے"

کرسیٔ عدل :- مدعا علیہ کو بلایا جائے۔

مشیت کا حکم صادر ہوتے ہی آسمان پر ایک ہوائی جہاز کی غرغراہٹ سُنی جاتی ہے۔ یہ عدالت کے سامنے ایک وسیع صحن میں اُترتا ہے۔

درباری دیکھ رہے ہیں کہ ایک شخص کشادہ پیشانی لمبی سی ناک پر عینک لگائے ہوئے تیزی سے قدم اُٹھاتا ہوا چلا آرہا ہے اُس کے ڈھیلے ڈھالے سوٹ کے پائنچے اسکے بوٹوں سے اُلجھتے جاتے ہیں۔ مگر یہ گرتا پڑتا بابِ عدالت پر آپہنچتا ہے۔ اُدھر اسے باریابی کی اجازت ملتی ہے اودھر نیلے بورڈ پر امریکا.... لکھ جاتا ہے۔ کچھ لوگ جو غالباً حلیف ہیں اسکے اوپر پھول پھینکتے ہیں۔ مگر کچھ حریف پھولوں کی بجائے کرنکر (ریتا خے) پھینکتے ہیں۔ یہ کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اور عدالت کے کٹہرے میں خاموش کھڑا ہو جاتا ہے۔

کارکنانِ قضا و قدر:۔ (مشیت کے ایما سے) تمہیں عدالت کی حاضری میں دوست کی دیر کیوں ہوئی؟

نمایندہ:۔ فلسطین کانفرنس کے قصوں میں! دربارِ الٰہی سے معذرت خواہ ہوں!

کرسئ عدالت خطاب کرتی ہے:۔ "تم سے ہماری اکثر اقوام کیوں ناراض ہیں؟

نمایندہ:۔ان کی خفگی غلط ہے۔ ایسا انسان اب تک پیدا نہیں ہوا جو سب کو خوش رکھ سکے!

ادھر کچھ لوگ مسکراتے ہیں۔ کچھ منہ چڑانے لگتے ہیں۔ اُدھر مشیت کارکنانِ قضا و قدر کو اشارہ کرتی ہے۔ اور وہ کٹہرے میں کھڑے رہنے والے انسان سے سوال کرتے ہیں

کارکنانِ قضا و قدر

یہ اعتراض ہے تم پر تمہاری دولت نے
تمہاری عقل نے اور قرضہ و تجارت نے
گذشتہ جنگ کی چنگاریوں کو بھڑکایا
کروروں خلقِ خدا کو جہاں میں لڑوایا!

تباہ سیکڑوں معصوم ہستیاں کر دیں
خراب سیکڑوں معمور بستیاں کر دیں
تمہیں تھا دعویِ انسانیت تو کس بل پر؟
غضب یہ زعمِ حکومت مشین اور کل پر

عدو تمہاری فتوحات سے ہیں فریادی
تمہیں نے چھین لی گویا جہاں کی آزادی؟

مدعا علیہ نمایندۂ امریکہ

یہ میرے جُرم کی فہرست اِک فسانہ ہے
کہ اعتراض کا مجھ پر فقط بہانہ ہے

(ذرا بلند تر آوازہ سے)

جہانِ امن تھا جب محو ری بلاؤں میں
اُمنڈ رہی تھیں سیہ کاریاں گھٹاؤں میں

گرج رہے تھے عذابوں کے خونفشاں بادل
بکھر رہے تھے زمانے کو پنجہ ہائے اجل
غریب خطۂ یورپ تھا مجھ سے فریادی
تمدنوں کی نظر آ رہی تھی بربادی!

میں جانتا تھا کہ آپس میں یہ حلیف و حریف
شقی ہیں گرچہ مگر فطرتاً ہیں نسلِ شریف
دماغ اُن کے یقیناً خراب و مختل تھے
لہولہان تھے یہ اور جنگ سے شل تھے

میں جانتا تھا کہ تیرا عذاب ہی اُن پر
بہ شکلِ جنگ خدائی عتاب ہے اُن پر
مگر نہ دیکھ سکا اُن کی حالتِ برہم
محیط مجھ پہ ہوئے جذبہ ہائے رحم و کرم

یہ خاک و خون میں غلطاں ننھے گولہ بازوں سے

جھلس رہے تھے یہ آتش فشاں جہازوں سے

علاج اسکے سوا کچھ نہ تھا مرے بس میں
کہ فیصلے مرے صادر ہوں حقِ بیکس میں

وہ کون بیکس و مظلوم تھے مرے ہمجنس!
مری پناہ کے طالب شریکِ عالمِ انس!

ترے ہی رحم و کرم سے مرے قدم اُٹھے
کسے مجال تھی ورنہ یہ بارِ غم اُٹھے

یہ اعتراض کہ المانیوں کا دل ٹوٹا
یہ اعتراض کہ جاپان بے طرح ڈوبا

یہ اعتراض کہ اٹلی مرا شکار ہوا!
اسیرِ ظلم و ستم بن کے اشکبار ہوا!

غلط ہے عالمِ قانون و بزمِ فطرت میں
کھلا ہوا ہے مگر فرق نور و ظلمت میں!

مری یہ جنگ تھی امن و امان کی خاطر
قیامِ حرّیت و حفظِ جان کی خاطر
مرا قصور اگر ہے، تو جوہری بم ہے
یہ وہ بلا ہے جو برہم کنِ دو عالم ہے!
یہ کاش مجھ سے نہ آتا وجودِ ہستی میں
خمار کو بھی سمجھتا میں عینِ مستی میں
مجھے یہ ڈر ہے کہ انسان پھر تباہ نہ ہوں
اسیرِ حرص و بلا صیدِ ظلم و جاہ نہ ہوں!

نمایندۂ امریکہ بیان دینے کے بعد اتحادیوں سے ملی ہوئی مقررہ نشست گاہ پر جا بیٹھتا ہے۔ کرسیٔ عدالت سے جواب و تنبیہ کے طور پر اہلِ قوم کو خطاب کیا جاتا ہے۔ لوگ ہمہ تن گوش بنکر سُن رہے ہیں اور فیصلۂ الٰہی سے سرور کے ساتھ لذت اندوز ہو رہے ہیں۔

عدالت کی آواز

یہ قوم جو کہ ہے تحت الثریٰ میں خاک نشیں

یہ چاہتی ہے بنے سجدہ گاہِ اہلِ زمیں!

پھنسی ہے دامِ ہوس میں یہ اجنبی بنکر
اُچھل رہی ہے یہ "ناداں کی دوستی" بنکر

یہی جو اپنی مشینوں سے آتش افشاں ہے
سمجھ رہی ہے کہ یہ خلق کی نگہباں ہے
اُسے بھی فخر ہے فطرت کی رازدانی کا
علاجِ مرگ ہو کس طرح زندگانی کا!

یہ جنگ صلح کی خاطر مگر تماشا ہے
عجیب حضرتِ انسان کا بھی سودا ہے!
بجا سہی کہ یہ ہمدردِ "خطۂ یورپ"
بچا رہے تھے عذابوں سے خطۂ یورپ
مگر یہ پوچھے کوئی اس میں کیا سیاست تھی
خود ان کی چین سے برما سے کیا عداوت تھی!

دکھا رہے ہیں یہ کیوں شانِ زر پرستی کو؟
بڑھا رہے ہیں یہ کیوں ذوقِ چیرہ دستی کو؟

تُلے ہوئے ہیں بڑھانے کو اقتدارِ یہود
بنے ہوئے ہیں فلسطیں میں غمگسارِ یہود

بجا سہی کہ یہ ہوں ہم نبردِ جاپاں سے
مگر کہاں کا انھیں واسطہ ہے یوناں سے؟

ستم ظریفیٔ انسان ہائے کیا کہیے
خیال کہانے پریشان ہائے کیا کہیے!

اگر یہ سچ ہے کہ یہ جنگ قہرِ یزداں تھی
تو روک تھام بھی اس کی خلافِ ایماں تھی

ہماری نعمت و افضال کا یہ مصرف ہے
غرور روزِ عمل ہے پروانۂ عرش رفرف ہے

جہاں خزائنِ قدرت کی ہم نے بارش کی

یہ سوچتے ہیں وہیں سرکشی و سازش کی
غضب تو یہ ہے کبھی مرکزِ وفا نہ ہوئے
یہ ناسپاس کبھی بندۂ رضا نہ ہوئے
غلط کہ دولت و زر مرکزِ ہوس رانی!
غلط کہ لعل و گہر مقصدِ جہانبانی!
غلط کہ جذبۂ احساں ہو جنگ کا باعث!
غلط کہ جذبۂ عریاں ہو ننگ کا باعث!
غلط کہ حرفِ ستم رازدارِ امن و اماں!
غلط کہ ربطِ غم نغمۂ سرورِ جہاں!
ابھی تو سامنے انجامِ کار باقی ہے
خمارِ ہستیِ ناپائیدار باقی ہے!
محاسبہ سے ہمارے مفر کہاں ہوگا
کدھر یہ جائیں گے بچکر جو امتحاں ہوگا!

اس فصیح و بلیغ بیان پر سب کے سرِ تسلیم خم ہو گئے۔ کرسیٔ عدل کی جگمگاتی ہوئی روشنی رفتہ رفتہ مدھم ہونے لگی جو اس بات کی علامت سمجھی گئی کہ اجلاس برخاست ہو رہا ہے

کارکنانِ قضا و قدر:- یورپ کے تمام نمائندے اپنی قوموں کا حال عرض کر چکے۔ آیندہ اجلاس میں ایشیا کے اہل دول اپنے بیانات مرتب کر کے لائیں وقت و مقام کی تعیین سے بذریعہ لاسلکی تین دن قبل اطلاع دی جائے گی۔ مجلس برخاست کی جاتی ہے۔

منظر ۵

زمانہ:- آخر جنگ

مقام لال قلعہ دہلی

نو ظہور کا وقت ہے۔ آفتاب مشرق کی کرنیں آج سفید نہیں بلکہ قوس قزح کے رنگ کو لئے ہوئے ہیں۔ اُن کی رنگ برنگی شعاعوں سے ذرہ ذرہ میں حسین تموج ہے۔ ہوائیں مست ہیں۔ درخت ایشیائی انداز سے نزاکتوں کو لئے ہوئے جھوم رہے ہیں۔ کائنات اطمینان کا سانس لے رہی ہے۔ سرسبز و شاداب چشموں اور آبشاروں سے ترنم کی آوازیں اُٹھ رہی ہیں۔ کرۂ ارض پر رنگینیاں محیط ہیں طیور چہچہاتے ہیں۔ اور انسان گنگناتے ہیں۔ آج دربارِ عدل میں سادگی کے انداز نہیں، بلکہ نقش و نگار اور گل و گلزار کا عالم ہے

مقربین الٰہی اور فرشتوں کی نشستگاہیں مطلا و مذہب ہیں۔ قدِ آدم آئینے
درو دیوار پر چمک رہے ہیں۔ عرب و ایران چین و ہندوستان ترک و افغانستان
کے نمایندے اطلس و کمخواب اور حریر و پرنیاں کے لباسوں میں ملبوس ہیں اور
وقت سے پہلے دربار کا تماشہ دیکھنے آپہنچے ہیں۔ فرشِ عدالت ایرانی و کاشانی
قالینوں سے باغ و بہار بنا ہوا ہے۔ کرسیٔ عدالت تختِ طاؤسی کے انداز میں نظر
آرہی ہے اسکے تابناک جواہرات اور بیل بوٹے نگاہوں کو خیرہ کر رہے ہیں۔
کرسی کے سامنے ایک نہر مشرق سے گذرتی ہوئی مغرب کیطرف بہہ رہی ہے جس
میں سرخاب و قاز اور دوسرے سنہرے آبی پرندے نہا رہے ہیں۔ نہر پر شیشہ
کا پُل ہے جسے عبور کر کے عدالت کے رنگین کٹہروں میں جانا پڑتا ہے۔ یکایک
ایک جلوس فرشتوں کا نظر آتا ہے لوگ خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے
ہیں۔ اسمیں سے کارکنانِ قضا و قدر بھولوئی بابیش میں سے نکلکر کرسیٔ عدل کے سامنے
ادب سے کھڑے ہو جاتے ہیں جب کرسیٔ عدل پر انعکاسِ مشیت سے وجد و سرور
اور نغمہ و نور ستنابی رنگ اختیار کر لیتے ہیں تو کارکنانِ قضا و قدر کو اشارہ ہوتا ہے۔

کرسیٔ عدل کی آواز

آج کے اجلاس میں ایشیا کے نمایندوں کا بیان سُنا جائے تاکہ یہ پست
اقوام اپنی غفلت پرستیوں کا ماحصل بدولت سے بعد میں گلہ نہ کرسکیں۔ پیغمبر و صوفیا
اپنی امتوں کے اعمال و افعال توجہ کے ساتھ سنیں۔
کارکنانِ قضا و قدر تعمیلِ فرمان پر سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ اور نقیب کے ذریعہ سے

آواز دی جاتی ہے۔

"خطہ ایران کا نمائندہ حاضر عدالت ہو"

فوراً ایک شخص وجیہہ مگر موٹا تازہ اپنی صف سے اُٹھکر عدالت کیطرف چلنے لگتا ہے۔ حاضرین تعجب کرتے ہیں کہ یہ ایرانی لباس و فیشن میں کیوں نہیں ہے اسکی داڑھی مونچھ صاف ہے۔ اور برجس سوٹ پہنے پیش قبض کمر میں لگائے ہوئے قدم اُٹھا رہا ہے۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ یہ ادب کے ساتھ نصف خمیدہ ہو کر سلام عقیدت عرض کرتا ہے اور سنہرے کٹہرے میں پہنچ کر اشکباری کے ساتھ اپنا بیان دیتا ہے۔

نمائندۂ ایران

وہ قوم جو کبھی گہوارۂ تمدن تھی
جہاں نواز تھی مہ پارۂ تمدن تھی
وہی کہ جس کی یہ دنیا رہینِ منت تھی
وہی جو مرکزِ تہذیب و علم و حکمت تھی
وہی جہاں کہ غزالی و بوحنیفہ تھے!
وہی جو صاحبِ سینا و بزمِ سینا تھے!

وہی جو مرکزِ جامی و رومؔ و فردوسی
وہی جو مظہرِ سعدی و بزمِ فردوسی!
وہ خاکِ پاک جو رعنائیوں میں یکتا تھی
جو اپنی عظمت و رفعت میں عرش پیما تھی!
ہیں تاجدار اُسی خاکِ ذی وقار کا ہوں
مگر یہ عرض کروں کس طرح کہ اب کیا ہوں!

وہی جو وقفِ عزائم تھے اب ہیں دست بجنگ
فدائے دلبرِ رنگین و بادۂ گلرنگ!
نہ علم و فضل ہے ان میں نہ اوہ ذوقِ ادب
محیط چاروں طرف سے ہے بحرِ رنج و تعب!
نہ عسکری ہیں نہ نوری نہ صاحبِ زنّار
نہ ذوقِ مذہب و ملّت کے یہ علمبردار!
ہوا لگی ہے انھیں آہ مغربیت کی!

طنابیں کھینچ کے بیٹھے ہیں یہ اخوت کی!

نہ لشکروں میں ہیں شامل نہ یہ سپاہ میں ہیں
غضب تو یہ ہے کہ سودائے مہر و ماہ میں ہیں!

سمجھ رہے ہوں جو "غیروں" کو رازداں اپنا
بچا سکیں گے وہ کب تاجِ زر فشاں اپنا!

بھلا چکے ہیں مگر میری بات کو شاید
مٹا چکے ہیں اصولِ حیات کو شاید!

جو زندگی کے ہوں جویا تو مردِ مسلم ہوں
نظامِ زیست میں اپنے ہی بل پہ قائم ہوں!

ذلیل و پست ہی رو بہ مزاج بنتے ہیں
جو شیر دل ہیں وہ دارائے تاج بنتے ہیں!

وہ قوم جو کہ نہ عابد ہو اور نہ ساجد ہو
محال ہے ملل ایشیا کی قائد ہو!

ترجمانِ ملت کی آواز بھرانے لگتی ہے اور وہ شدتِ جذبات سے مجبور ہو کر آخری شعر پر اپنا بیان ختم کر دیتا ہے۔

تیرے ہی رحم کا طالب ہوں اشکبار بھی ہوں
میں ترجمانیٔ ملت سے شرمسار بھی ہوں!

اِدھر نمایندہ کا بیان ختم ہوتا ہے اُدھر روسی اور انگلستانی بینچوں سے ایک قہقہہ کی آواز بلند ہوتی ہے۔

کرسیٔ عدل تہدید کے ساتھ تمام قوموں کو مخاطب کر کے کہتی ہے۔

"جو رونیوالوں پر ہمدردی کے بجائے ہنستا ہے زمانہ اسی کو خون کے آنسو رُلاتا ہے"

اور پھر جواباً ترجمانِ عدل بنتی ہے۔

آوازِ عدالت

وہ قوم جسکو ہو اب تک غرورِ ماضی پر
وہ قوم جسکو مسرت ہو خاکبازی پر!
وہ قوم جسکا ہو ایمان روحِ قومیت[1]

---

[1] بہ رعایت شعری

وہ قوم جس کا تمدن ہو عیشِ بے راحت
وہ قوم صرف جو نازاں ہو اپنے آبا پر
وہ قوم جس کی تڑپ ہو بغیر بال و پر!

(کارکنانِ قضا و قدر کی طرف مخاطب ہو کر)

پنپ سکی ہے نہ پنپے گی اس زمانہ میں
ملاد و خونِ جگر اس کے آب و دانہ میں!
غرق جو پی کر ہوں مستیوں کی دنیا میں
بڑھاؤ ان کو جفا کوشیوں کی دنیا میں
یہی فضائے نظر ہیں برنگِ تنجالہ
نہا کے خون میں شاید بنیں گلِ لالہ!
جو توڑتے ہوں اخوت کے رشتۂ سنگین
دکھاؤ اُن کو زمانے کے منظرِ خونیں!
اب ان کی لذتِ شیریں کو تلخ کام کرو

اب اِن کے قصۂ فرہاد کو تمام کرو!

فلاح کے لئے ہاں جرأتِ عمل ہی ضرور
وگرنہ خاک بسر تاجِ خسرو و فغفور

میں دیکھتا ہوں امنڈتے ہوئے سے کچھ بادل
بنا رہے ہیں جو تاریک ان کے دشت و جبل!

انھیں میں برقِ سیاست کے تازیانے ہیں
انھیں میں چشمۂ عبرت کے بھی خزانے ہیں!

قریب تر ہیں یہی سیلِ ابر و طوفاں سے
یہ بے خبر نہ رہیں فتنہ ہائے دہقاں سے!

جو چاہتے ہوں بچالیں یہ خرمنِ امید
دوائے کل ہے یہی انقلاب اور توحید!

کرسئ عدل کا بیان ختم ہونے پر نقیبِ دربار آواز دیتا ہے۔

"نمایندۂ افغان حاضر ہو"!

دیر تک کوئی آواز نہیں آتی اور نہ کوئی شخص دربار عدل میں ترجمانی کے لئے آتا ہے۔

کارکنانِ قضا و قدر عرض کرتے ہیں۔

"جمال الدین افغانی کے بعد سے اب تک کوئی شخص ایسا نہیں پیدا ہوا جو دربار الٰہی میں ترجمانی کر سکے علم و فضل کی سرزمین تشنہ کام ہے۔ بہادر شجاع اور غیور اور جنگجو بہت سے افراد ہیں۔

کرسئی عدالت:۔ نہیں جمال الدین افغانی کی ضرورت نہیں بیسویں صدی کی ترجمانی مطلوب ہے۔ اچھا قوم عرب کے نمایندے کو بُلاؤ

نقیب آواز لگاتا ہے۔ "نمایندۂ عربستان حاضر عدالت ہو"

ایک شخص جبہ و مندیل میں ملبوس عقال کے حلقوں میں دامندار سیاہ عبا کو سنبھالتا ہوا اپنی صفوں میں سے اُٹھتا ہے۔ اس کی لمبی ناک، بیضوی چہرہ اور بلند قد پر لوگوں کی نگاہیں پڑ رہی ہیں۔ صفوں کو عبور کرکے آبی پل پر کھڑا ہوتا ہے۔ اور ادب و احترام سے السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہکر باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔ اجازت ملتی ہے۔ تو وہ عدالت کے کٹہرے سے کرسئی عدل کو خطاب کرتا ہے:۔

نمایندۂ عربستان

تو ئی کہ صاحبِ شرح الصدر و عالمِ غیب
تو جانتا ہے مری قوم کے ہنر اور عیب

حجاز و ارضِ فلسطین و مصر و شام و یمن
ابھی ہیں قومِ عرب کے لئے یہی مامن
ہماری قوم میں الحاد کا وجود نہیں!
غرور و زعم نہیں غیر کو سجود نہیں!
ہمیں ہیں مالکِ بطحیٰ و ساکنِ یثرب
غلامِ صاحبِ خلقِ عظیم و فخرِ عرب
ہمیں ہیں ارضِ فلسطین کے حافظ و ناصر
امینِ کلمۂ توحید و ساجد و ذاکر!
ابھی غیور و جفا کش ہیں مردِ میداں ہیں
جہانِ رزم ہو یا بزم ہم مسلماں ہیں
اذاں وہی ہے بلالی وہی ہدیٰ خواں ہیں
ہمارے ہاتھ میں شمشیر و دل میں قرآں ہے!
زوال ہم ہیں ورا اندازہ ہے مگر کم کم

دفاعِ قوم میں ہیں گرم و متحد باہم
عبث ہے روئیں جو ہم داستانِ ماضی کو
نہ لائیں جوش میں کیوں خونِ گرمِ غازی کو!

مجھے گلہ ہے اگر قوم سے تو صرف یہی
فضول خرچ ہیں محرومِ فکرِ امر و نہی!

قناعت ان میں ہے لیکن غلط طریقے پر
یہ بے نیاز مقدر کے ہیں وسیلے پر!

کہاں اب ان کے دلوں میں وہ جذبۂ رفعت
کہاں نظر میں گذشتہ جلال کی عظمت!

کشاکشِ غمِ ہستی سے بچکے چلتے ہیں
زعیمِ قوم اب ان میں کہاں نکلتے ہیں؟

یہ تک رہے ہیں اب اہلِ دول کو حسرت سے
مسابقت میں یہ پیچھے ہیں اہلِ ہمت سے!

یہ اکتساب میں بھولے ہوئے ہیں مَا کَسَبَتْ
دماغ میں نہیں انکے نزول مَا اکْتَسَبَتْ!

بجا سہی کہ نہیں ان کے پاس مال و منال
متاع ان کی ہے ریگ و سراب دشت و جبال!

مگر غضب یہ تجارت بھی اپنی کھو بیٹھے
جہاں کی سیر و سیاست سے ہاتھ دھو بیٹھے!

عنایتیں تری اے کاش پھر ہویدا ہوں
جہانِ ریگ سے پھر جلوہ زار پیدا ہوں!!

نمایندۂ عرب کے اس فصیح بیان پر حریف اقوام حیرت میں ڈوب جاتی ہیں۔ پیغمبروں اور فرشتوں کی صفوں میں اہتزازی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ کرسئ عدل سے اس نیم اہتزازی کیفیت کا مطالعہ کرنے کے بعد گہرافشانی ہوتی ہے

آوازِ عدل

مجھے خوشی ہے کہ یہ قوم ہے امیں ابتک
مقامِ صدق و صفا میں ہے جاگزیں ابتک!

خلوص دل ہی عیاریوں کی دشمن ہے،
سجودِ شوق سے مثلِ جبینِ روشن ہے!
یہ جامِ غرب سے لب آشنا نہیں ابتک
بچائے رکھتی ہی داماں و آستیں ابتک
بہ ربِّ کعبہ و عزِّ رسل بذاتِ "حمید"
ابھی ہے اس کی نگاہوں میں جلوۂ "توحید"
انھیں بلوں پہ یہ سائق بھی اور قائد بھی
غیور بھی ہے موحّد بھی اور مجاہد بھی!
مجھے گلہ ہے مگر اس کی سُست فطرت سے
اسی کی سابقہ عظمت سے اور روایت سے!
یہ بات کیا ہے کہ پہلی سی رفعتیں نہ رہیں
نظامِ ارض و سما کی وہ ہمتیں نہ رہیں!
غضب کہ ان کو پریشاں کرے وہ قوم یہود

جو ذلتوں میں ہو مشہورِ خلق نامسعود!

یہ کیوں ہوا کہ نہیں ان میں خالدِ جانباز
دماغ ان کے ہیں مخمورِ حافظِ شیراز

یہ کیوں ہوا کہ نہیں ان میں طارق اور حبیب
نہیں ہیں ان میں فرزدق سے کیوں ادیبِ لبیب

فرات و دجلہ و بغداد فیض گستر ہیں
وہی رطب ہیں وہی نخل روح پرور ہیں!

وہی حرم کی فضا ہے وہی ہیں دشت و جبل
وہی مہار وہ ناقے، وہ کاروان و جمل!

یہ اپنے اوج کو قائم نہ رکھ سکے کیونکر؟
نہ انقلابِ طبیعت سمجھ سکے کیونکر؟

کہاں وہ خلّت و ایثار و ذوقِ "ذبحِ عظیم"
کہاں اب آتشِ نمرود و جانِ ابراہیم!

کہاں وہ یوسفؑ کنعان و مصر کی دولت
کہاں وہ احمدؐ مرسل کا ورثۂ عظمت!
کہاں وہ عیسیٰؑ و موسیٰؑ کے نرم وگرم مزاج
کہاں مقابلۂ کفر و زعمِ تخت و تاج!

غضب کہ ان کو نہ یوں سُست گام ہونا تھا
جہاں میں تخمِ رسالت انھیں کو بونا تھا!
یہ شرق و غرب میں میرا پیام پہنچاتے
فضائے کفر میں وحدت کا نام چمکاتے!

اُلجھ کے رہ گئے یہ بھی نشیب پستی میں!
بڑھا سکے نہ قدم رفعتوں کی بستی میں!
انھیں جو تلخیِ غم کے مزے ہی چکھنا تھا
تو اعتماد خدائی مدد پہ رکھنا تھا!

(نمایندۂ عرب سے مخاطب ہو کر)

غضب کہ سعی و عمل کو بھی تم نے چھوڑ دیا
تجارتوں کے بھی رشتہ کو تم نے توڑ دیا!

غضب کبھی جو زمانے کو رزق دیتے ہوں
عجب کہ آج وہ کشتی نہ اپنی کھیتے ہوں!

یہ احتیاج و غمِ ازدواج ہے بےسود
غضب کہ بردہ فروشی بھی تم میں ہے موجود!

تمہارے دل میں ترقی کے گر شرارے ہوں
ہماری چشمِ کرم کو ابھی اشارے ہوں۔

حرارتوں سے قوانینِ زندگی بدلو!
ترقیات سے آئینِ زندگی بدلو!

دربارِ عدل کے اس بیان سے ایشیائی دول کے نمائندوں میں سرگرمی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے دل بیداریٔ ایشیا کے پُرسرور خیال سے دھڑکنے لگتے ہیں۔ کیفیتِ وجد و سرور کے ساتھ مقربینِ الٰہی رخصت ہوتے ہیں۔

کارکنانِ قضا و قدر اعلان کرتے ہیں:۔

اجلاس ختم کیا جاتا ہے۔ کل جمعہ کو ۴ بجے شام کو نمایندگان اقوام حاضر ہوں۔ ہندوستان و چین وغیرہ کے مقدمات پیش ہوں گے

منظر (۶)

وقت و زمانہ:- آخر جنگ

مقام لال قلعہ دہلی

شام کے چار بجا چاہتے ہیں۔ آفتاب ڈھل رہا ہے۔ مگر موسم غیر معتدل ہے۔ نمایندے دربارِ عدل میں باریاب ہو رہے ہیں۔ اور لو کے ڈر سے کانوں اور سروں پر رومال لپیٹے ہوئے ہیں۔ .... ہوا کے جھونکے ابھی تک تیز اور گرم ہیں۔ دربارِ عدل کے سامنے نہر میں نہانے والی چڑیاں اور پرندے گرم پانی میں پھڑپھڑا کر اضطراب کا اظہار کرتے ہیں اور شور مچا رہی ہیں۔ بابِ عدل کے باہر میدان میں کروروں نفوس اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے بیتاب ہیں۔ ان میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی ریل پیل کرتے نظر آرہے ہیں۔ یہ رنگ برنگ کے انسان کالے پیلے، سانولے اور گورے بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہیں۔ تماشہ یہ ہے کہ یہ سب ابھی تک طے نہیں کر سکے کہ دربارِ الٰہی میں کون شخص ان کی نمایندگی کرے گا۔ ان میں سے بہت سے آدمیوں کے سر پر سینگ اور نہ ناخنوں کے بجائے شکرے اور بلی کے نکیلے پنجے دکھائی دیتے

ہیں۔ جو ذرا ذرا سی بات پر باہر نکلتے ہیں اور ایک دوسرے کو نوچنے لگتے ہیں۔ اس مخلوقات کے چہرے لہولہان ہیں۔ اور جو نمایندے لڑ بھڑ کر دربار الٰہی میں پہنچنا چاہتے ہیں ان کے چہرے مہرے سے وحشت اور نوچی ہوئی جلد سے خون کی بوندیں ٹپک رہی ہیں۔

یکایک چار بجے کے مقررہ وقت پر ان کو ایک جرس کی آواز سے متنبہ کیا جاتا ہے۔ دربارِ الٰہی میں خاموشی چھا جاتی ہے۔ کرسئ عدل اور مقربین الٰہی کے پاکیزہ نفوس کی برکت سے گرم ہوائیں اعتدال پر ہونے لگتی ہیں تپش گھٹتی ہے۔ اور خیمہ کے باہر ہلکا سا تر فرح منظر جذبات و ہیجان کو سکون سے بدلتا ہے

کارکنانِ قضا و قدر کے اشارے سے نقیب آواز دیتا ہے:۔

"ہندوستان کا نمایندہ حاضر ہو"۔

ایک شخص کی بجائے پانچ نمایندے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر مسابقت کی کوئی جرأت نہیں کرتا۔ آخر ہمت کر کے ایک بڈھا دبلا سوکھا لکڑی ٹیکتا ہوا عینک لگائے ہوئے قدم بڑھانا چاہتا ہے، مگر پیچھے سے ایک دوسرا اسکے منہ پر ہاتھ رکھ لیتا ہے اور یہ پیچ و تاب میں بل کھا کر چپ ہو جاتا ہے۔

نقیب پھر پکارتا ہے کہ "نمایندۂ ہندوستان حاضر ہو"۔ اب کی کوئی شخص آگے نہیں بڑھتا۔

کارکنانِ قضا و قدر عرض کرتے ہیں:۔ حضورِ والا یہاں کی قوموں نے صرف اس مسئلہ پر اتفاق کیا ہے کہ یہ کبھی متفق نہ ہوں اجازت ہو تو کسی غیر جانب دار نمایندے کو بلایا جائے۔

کرسیٔ عدل:- "یہ چالیس کروڑ نفوس اب تک اس بات کو نہیں سمجھ سکے کہ ہمارے یہاں ملک و قوم، رنگ و زبان کی تفریق نہیں۔ اچھا تو کسی غیر جانبدار نمایندہ کو بلا وجہ پارٹی بندی کے مذاق سے بیگانہ ہو۔ تاکہ دنیا کی تخریب یا تعمیر کا فیصلہ ہو سکے۔"

کارکنانِ قضا و قدر ایک ساٹھ سالہ ہندوستانی لیڈر کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ معمّر انسان عبا پہنے عینک لگائے ڈاڑھی سے مشیّن سنجیدگی و وقار اور جوہرِ اخلاص کا مجسمہ ادب کیساتھ عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہو جاتا ہے اور کرسیٔ عدل سے شانِ خطابت کے ساتھ مخاطب ہوتا ہے۔

نمایندۂ ہندوستان

نہ ایک قوم ہے ان کی نہ ایک ملّت ہے
نہ ایشیا میں نہ یورپ میں انکی عزت ہے!
جگہ ملے صفِ اقوام میں انھیں کیونکر؟
غلام بن کے گزاریں جو اپنے شام و سحر!
اقلیّت کا جنوں ہو کہ اکثریت کا

نہیں رہا انھیں احساس اپنی عظمت کا
عجیب ان کے مذاہب عجیب انکی ملل!
تعصبات سے ان کے دماغ ہیں مختل!

اسیرِ غیر ہیں غربت میں سانس لیتے ہیں
تڑپ تڑپ کے قفس ہی میں جان دیتے ہیں!
یہ فاقہ مست ہیں مفلس ہیں پھر بھی شاداں ہیں،
خود اپنے ملک کی خدمت سے بھی گریزاں ہیں،

غیور ان کے سپاہی نہ انکے رہبر ہیں
لہو لہان ہیں خود اپنے خون میں تر ہیں!
یہی کبھی دلِ ترکی کو داغ دیتے ہیں!
کبھی یہ مصر کو خونیں ایاغ دیتے ہیں!

انھیں کے خون سے یونان لالہ زار بنا
انھیں کی زد سے فلسطین اشکبار بنا

انھیں کو کوستے ہیں انڈونیشیا والے
انھیں کو روتے ہیں افریق وچائنا والے!
غضب تو یہ ہے کہ احساس و انفعال نہیں
خود اپنی عزّت و ناموس کا خیال نہیں!

یہ کھیلتے ہیں تو آپس میں خون کی ہولی!
یہ بولتے ہیں تو کفر و نفاق کی بولی!
خبر ملی ہے ابھی مجھکو قتل[1] و غارت کی
تعصبات میں ہے چپقلش سیاست کی!

یہ اُنکے حُسنِ فراست کا اک کرشمہ ہے
فساد و قتل ہی گویا علاجِ فتنہ ہے!
جو ان میں عالمِ دینِ مبین بنتے ہیں
وہ جُزئیات کے اُمّت پہ جال تنتے ہیں!

جو صوفیا ہیں وہ مستِ سماع و چنگ و رباب

[1] فرقہ وارانہ فسادات ۱۹۴۶ء جس میں تقریباً ۵۰ ہزار نفوس تیغ ہندی سے ہلاک ہوئے۔

معاش ان کی ہے اوقاف و تحفۂ احباب!

نہ سوزِ دل نہ حرارت نہ جوشِ ایمانی
عیارِ زیست مریدی ہے یا تن آسانی!

صنم پرست ابھی تک ہیں کیا قیامت ہے
دلوں میں نام کو توحید کی امانت ہے!

عوام رنگِ جہالت پہ ناز کرتے ہیں
خواص زعمِ قیادت پہ ناز کرتے ہیں!

غضب تو یہ ہے کہ مغرب ہے انکی پشت پناہ
نظر میں انکی پری کی طرح ہیں دیوِ سیاہ!

کبھی یہ کہتے ہیں واللہ سامراج نہ ہو
کبھی یہ سعی کہ آپس میں امتزاج نہ ہو!

ڈبو رہے ہیں یہ کشتی کو عینِ ساحل پر
تری مدد ہو تو لگ جائیں راہِ منزل پر!

مزید عرض کروں کیا کہ سامنے کیا ہے
عجیب فتنہ و شور و فساد و غوغا ہے

ادھر غیر جانبدار نمائندہ ہندوستان اپنے ایماندارانہ فرائض کو ادا کر کے آداب و سلام کے بعد رخصت ہوتا ہے اُدھر بیرونی شور و غوغا بڑھتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ کرسیٔ عدل افسوس نما سکوت کے بعد ہندوستان والوں سے خطاب کرتی ہے اور اسکے ہمدردانہ لہجہ سے تمام حاضرین ہمہ تن گوش بن جاتے ہیں۔

آوازِ عدل

مریض اور مرض کا قصور کیا ہے کہئے!
معالجہ میں اگر ہو فتور کیا ہے کہئے!

پڑی ہوئی ہے یہ ضغطہ میں ہاں طبیبوں کے
پھنسی ہے جال میں عیسیٰ نفس مسیحوں کے

(کارکنانِ قضا و قدر کی طرف دیکھ کر)
علاج اسکا نہ یورپ میں ہے نہ یونان میں
شفا ہے اسکے مقدر کی ترکِ درماں میں!

طبیب اسکو نہ تڑپائیں شدتِ غم سے
دوائیں اسکو پلائیں نہ تلخیِ سم سے
یہ ایشیا کی رگِ جاں جو مضمحل ہی رہی
غدر کے بعد سے ابتک مریضِ سل ہی رہی
کبھی تڑپ کے سنبھالا لیا کبھی خاموش!
پھر اتفاق سے اچھلی تو موت در آغوش!
یہ ذلت اور یہ سرگشتگی یہ رنگِ نفاق
یہ قتل و غارت و خونریزیاں سرِ آفاق!
یہ اختلافِ تمدن یہ فرقِ ذات و ملل
یہ عقدہ ہائے سیاست امورِ لاینحل!
یہ فاقہ مستیِ ہندوستاں اسیرِ ستم!
یہ قحط اور یہ افلاس و نوحہ و ماتم!
یہ بت پرستی و مستی و شورِ و شر، یہ فساد!

خدا گواہ کہ یہ فتنہ ہائے نو ایجاد!

یہ سب علاجِ دل آزار کے نتائج ہیں
یہ سب غلامیٔ افکار کے نتائج ہیں!

جو سانس لیتے ہوں جور و جفا کے پہلو میں
جو ڈھونڈتے ہوں شفا کو قضا کے پہلو میں!

ضرورت اسکی ہے ان کا نظام بھی بدلے
بدل چکی ہے جو مستی تو جام بھی بدلے!

جوان کی بزم تمدن میں یوں تصادم ہو
اصولِ زیست کسی طرح گر نہ باہم ہو

تو کیا ضرور ہے بھرتے رہیں یونہی آہیں!
گلے میں ڈال کے غیظ و غضب بھی باہیں!

ہر ایک فرقہ خود آزادیوں کا مالک ہو
ہنسی خوشی سے رہِ زندگی کا سالک ہو!

غلط نہیں ہے مگر اہلِ ہند کا مسلک!
جُدا ہوں تختۂ گل اور جدا ہوا کی مہک!

طیور یوں بھی چہکتے ہیں باغِ ہستی میں
ہر ایک نغمۂ نو کو لیے ہو مستی میں!

اب ان میں زمزمہ پرداز ہوں جداگانہ
نشیمن و پرِ پرواز ہوں جُداگانہ!

بہم نہ ہوں نہ سہی بزمِ زندگانی میں
یہ سانس لیں تو مسرّت سے بزمِ فانی میں!

کسی طرح تو ہم آہنگیوں کے جویا ہوں
جُدا رہیں، غمِ انسانیت میں یکجا ہوں!

اسیرِ رشتۂ زنّار برہمن بھی رہے
فدائے کلمۂ توحید نغمہ زن بھی رہے!

اگر رہے گی یوں ہی ان میں کشمکش باہم

تو انقلاب سے جانبر نہ ہونگے دیر و حرم
فضائے غرب سے اُٹھ کر گھٹائیں آئینگی!
جہانِ شرق کو بھی جو لہو رُلائیں گی!
سمجھ سکیں تو ابھی اختیار باقی ہے
وگرنہ گردشِ لیل و نہار باقی ہے

ادھر کرسئ عدل ہندوستان والوں کو اپنا فیصلہ سناتی ہے ادھر صحن عدالت میں ۴۵ کروڑ نفوس شور و غل کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں ان کے شور میں جرس اور تھالی بجانے کی آواز گونج رہی ہے۔ اور یہ لوگ "چنگ چونگ" کے الفاظ سے مصروفِ نیاز ہیں۔ حاضرین اجلاس کا خیال ہندوستانیوں کی طرف جاتا ہے مگر کارکنانِ قضا و قدر ایک خاکی بورڈ پہ "چائنا" لکھ دیتے ہیں۔ ایک نمائندہ ذرا چپٹی ناک والا سوٹ پہنے ہوئے ایک سیاہ کٹھرے میں جا کھڑا ہوتا ہے۔ یہ سینہ تان کر کھڑا ہوتا ہے۔ اور اس کی آواز دربار کی فضا میں ذرا بلند آواز سے اس طرح موجزن ہوتی ہے۔

نمائندۂ چین

سنبھالتا ہوں تری بیشمار خلقت کو

بچا رہا ہوں کشاکش سے اپنی ملت کو!
میرے ہی قوم کے افراد مجھ سے لڑتے ہیں
وہ کیا بنینگے جو آپس میں یوں بگڑتے ہیں!
یہ اشتراک پسندی یہ حسرت تخریب!
بڑھا چکی تھی ہمیں بھی تباہیوں کے قریب
مری یہ سعی و دوش کچھ تو کام آ ہی گئی!
تسلیوں کی مے لالہ فام آ ہی گئی!
مری یہ قوم قدامت کا تاج رکھتی ہے
حکومت اور روایت کی لاج رکھتی ہے
یہ علم و فضل سے محروم سُست فطرت ہے
اگرچہ اس کی رگوں میں ابھی حرارت ہے!
محیط ان پہ ہے یلغارِ روس و فوج فرنگ
یہ خوف ہے نہ اُجڑ جائے عالم اٹزنگ!

تری مدد ہو تو تعمیرِ قوم آساں ہے
ترے ہی پنجۂ قدرت میں بزمِ امکاں ہے

چین کا نمایندہ آبدیدہ ہو کر اپنا بیان ختم کر کے اپنی بنچ پہ بیٹھ جاتا ہے۔ حاضرین اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ مگر کرسئ عدل فلسفۂ سیاست کے ماتحت اپنے جواب سے ان کو متوجہ کرتی ہے۔ اور کارکنانِ قضا و قدر سے خطاب ہوتا ہے۔

آوازِ عدل

بجا یہی کہ یہ عالم ہے عالمِ ارژنگ
زمینِ فتنۂ یاجوج و خطۂ دل تنگ!
دِکھاؤ ان کو زمانہ کے وہ نشیب و فراز
کہ جن سے بازوئے غفلت میں آسکے پرواز!
یہ ہیشیار رہیں اور منقسم گروہ گروہ
بُھلا چکے ہیں، یہ سدِ سکندری کا شکوہ!

جمہوریت سے انھیں راہِ راست پر لاؤ
انھیں کی سستیٔ فطرت سے انکو شرماؤ
جو اپنی زیست میں خود رنگ بھر نہیں سکتے
وہ اُٹھ کے غیر کے بل پر اُبھر نہیں سکتے!
روایتوں کی قدامت نے انکو پیسا ہے
قبائلوں کی عداوت نے انکو پیسا ہے!
خود ایشیا کے ہیں افراد ان پہ خندہ نما
کہیں نہیں صفِ اقوام میں یہ جلوہ نما!
یہ پہلے دور کریں انتشارِ ملّت کو
مٹائیں مل کے بہم خلفشارِ ملّت کو
یہ تخت و تاج کا ورثہ ہے مرکزِ آفات
پرستش اس کی ہے گویا مثالِ لات و منات!

پڑوسیوں سے سبق لیں یہ زندگانی ہیں
کہ چل سکے گی نہ کاغذ کی ناؤ پانی ہیں!
خدا پرست بنیں اور وفا شعار بنیں!
اصولِ بزمِ سیاست کے رازدار بنیں
ہمارے درسے ہیں مایوسیاں گناہِ عظیم
ہمیں بناتے ہیں بیکس کو صاحبِ دیہیم!
ازل سے کشمکش و جہد ہے مدارِ وجود
بڑھائے جائیں قدم تا بمنزلِ مقصود!

کرسئ عدل اپنا بیان ختم کرتی ہے -

کارکنانِ قضا و قدر عرض کرتے ہیں :-

"ایشیا کی نمایندہ قومیں اپنا بیان دے چکیں - اب صرف ایک قوم ترک باقی ہے جو نیم ایشیائی اور نیم اردپائی ہے - اس کی شجاعت و مردانگی

مسلم ہے۔ مگر انھوں نے مسلمان ہونے کے باوجود ریاست کا مذہب اسلام نہیں رکھا ہے۔ اگر حکم ہو تو اُسے بلایا جائے۔

کرسیٔ عدل:۔ "نہیں! جو مسلمان ہو کر اسلامی قانون کو اہمیت نہ دے، وہ ہمارے دربار میں ترجمانی کے قابل نہیں۔"

کارکنانِ قضا و قدر:۔ اجلاس برخاست کیا جاتا ہے آخری اجلاس آبی عرش پر ہوگا۔ اور تمام قوموں کو بذریعہ لاسلکی اطلاع دی جائیگی۔ جو نمایندے آنا چاہیں وہ بخوشی آسکتے ہیں۔ مگر سب کا آنا ضروری نہیں ہے۔"

اجلاس کے اراکین ہلکی سی سبز روشنی میں رخصت ہو رہے ہیں رفتہ رفتہ درباری مناظر تاریکی میں ڈوب جاتے ہیں۔

منظر (۷)

زمانہ:۔ آخر جنگ ۱۹۴۶ء

مقام آبی عرش

ایک جہاز نما محل کی صورت میں بحیرۂ عرب کے مشرقی ساحل پر ایک تختِ جواہر مکلّل و مرصع روشنی سے جگمگا رہا ہے۔ رات کے نو بجے اسکی مستول پر سرچ لائٹ سے زیادہ تیز روشنی چمکنے لگتی ہے جسکو ساحل یورپ والیشیا کے رہنے والے ٹیلی وزن سے دیکھتے ہیں اور ہوائی جہاز و پر اُڑ کر محل کے

اندر پہنچ رہے ہیں۔ سمندر کی موجیں سخت طوفانی ہیں، مگر اس جہاز کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتیں ان کا شور اسی تاریکی میں گم ہو جاتا ہے، جو تختِ عدالت کے زیریں حصہ سے تعلق رکھتی ہے۔ دربارِ عدل آراستہ ہو رہا ہے۔ فرشتوں کے پرے، پیغمبروں کی صفیں اور اقوام عالم کی نمائندہ ہستیاں مسرور نظر نہیں آتیں۔ بلکہ یہ جلالِ الٰہی سے متاثر ہو رہی ہیں جو آ چکے ہیں وہ متوحش سے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ قدرت زمین کا تختہ اُلٹ کر رہے گی۔ آخری دربار شانِ رحمت کا مظہر نہیں معلوم ہوتا۔

بادلوں کی کڑک بجلی کی چمک اور طوفان و شور بے معنی نہیں

کرسیٔ عدل کارکنانِ قضاء و قدر سے یکایک مخاطب ہوتی ہے:

"دیکھو انسانوں کے بیانات ہو چکے۔ مگر آدم زاد کے قدیم دشمن اور مخالف کا بیان بھی ضروری ہے ہماری مشیت نے شیطان نامی قوت سے دنیا کو بنانے اور بگاڑنے میں ہمیشہ سے کام لیا ہے۔ دن کے ساتھ رات روشنی کے ساتھ ظلمت، دکھ کے ساتھ سکھ، ہدایت کے ساتھ گمراہی قانونِ فطرت ہے۔ یہ دنیا عالمِ اضداد ہے۔ اس لئے دشمنِ انسان شیطان کو بھی بلاؤ وہ ہمارے تختِ الوہیت کے نیچے ہنگامہ برپا کر رہا ہے۔ ہم اپنے فیصلے منفرداً دے چکے ہیں۔ لیکن ابھی دنیا کی تباہی کے متعلق اجتماعی فیصلہ باقی ہے۔"

اِدھر یہ حکم صادر ہوتا ہی اُدھر ایک آتشیں پیکر بجلی کی خارا شگاف کڑک سے کرۂ ارض کو ہلاتا ہوا، آدم و حوّا کو لرزاتا ہوا جہاز محل کے عرشہ پر داخل

ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے ذریات ابلیسی کا شور برپا ہے لیکن جہاز میں اسکا اثر کچھ نہیں۔ اب کی بار اس کی ڈاڑھی بچھار سی ہے اور سر منڈا ہوا ہے۔ آنکھیں رخساروں میں دھنسی ہوئی ہیں۔ لمبی ناک لئے ہوئے ترچھی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اور یورپ اور ایشیا کے نمایندوں پر نظر ڈال کر کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔ کرسیِ عدل اجازت دیتی ہے، تو یہ اپنا مخالفانہ بیان اسطرح شروع کرتا ہے۔

دُشمنِ آدمزاد

یہ آرزو ہے کہ انصاف تیرا روشن ہو
بلا سے آدمِ خاکی تباہ خرمن ہو!

یہ دانت پیس کر اور مٹھیاں بھینچکر اُن انسانوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو وہاں موجود ہیں اور مختلف قوموں کے نمایندے ہیں:۔

یہ اژدرِ ستم و قہر اک قیامت ہیں
یہ ظلم و جہل کی دنیا میں ق آفت ہیں!
جہاں بھی اُن کے قدم جائیں مُلک ویراں ہوں
تفنگ و توپ سے ہر لحظہ آتش افشاں ہوں!

یہ خود پرست یہ سرکش یہ مجرم و باغی!
انھیں کے دم سے ہے دنیا فسادی و طاغی!
یہی جو عقل کے اعلانِ عام کرتے ہیں!
ترے وجود میں بھی اب کلام کرتے ہیں!
یہ تیری ذات کو بے کار سی سمجھتے ہیں
جو کوئی نام ترا لے تو اُس پہ ہنستے ہیں!
گناہ اُن کی نگاہوں میں کوئی چیز نہیں
ثواب اُن کو کسی حال میں عزیز نہیں!
غرورِ علم کے بل پر کچھ ایسے اینٹھے ہیں
نہ صرف تجھ کو، یہ مجھ کو بھی بھول بیٹھے ہیں!
یہ سوچتے ہیں تری قدرتوں سے ٹکر لیں!
جو چاہیں عقل و خرد ہی کے زور سے کر لیں!
یہ چھپے چھپکے نہیں صاف صاف کہتے ہیں

کبھی ترے کبھی میرے خلاف کہتے ہیں!
ترے بھی علم میں خونریزیاں ہیں یورپ کی!
عذاب و قہر مگر آندھیاں ہیں یورپ کی!
اب اُن کے سر میں اطاعت کا وہ جنوں کہاں
تو بے نیاز ہے لیکن مجھے سکون کہاں!
یہ ایشیا ہو کہ یورپ جنوب ہو کہ شمال
اگر سگ است یکے دیگر ست مثلِ شغال!

(ابلیسِ آتشیں پیکر کی زبان شعلہ کی طرح بلند ہوتی ہے اور وہ ہاتھ اُٹھا کر کرسیٔ عدل سے خطاب کرتا ہے:-)

اُلٹ دے اِن کے زمین و زماں کو ذی الجبروت
قسم تجھے تری عزّت کی مالک الملکوت!

تمام حاضرینِ دربار اس آتشیں پیکر کو خونیں نگاہوں سے دیکھتے ہیں مگر دربارِ الٰہی میں کسی کو مجالِ دم زدن نہیں۔ یہ طوفانِ غیظ و غضب کو لئے

ہوئے ایک خوشامدانہ سجدہ کرنا چاہتا ہے، مگر مشیت کے اشارہ سے کارکنان قضاوقدر اُسے روکدیتے ہیں۔ کرسئی عدل پیغمبروں بزرگوں اور مقرب فرشتوں سے تختۂ دنیا کو اُلٹ دینے کے متعلق استمزاج چاہتی ہے سب کے جھکے ہوئے سر اُٹھتے ہیں۔ اور انسانوں کے ابوالآباء حضرت آدم ادب کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ ابھی دورِ قیامت میں پچاس ہزار برس باقی ہیں مشیت اسکو سُنکر آتشیں پیکر کے نیم سجدہ کن انداز کو دیکھتی ہے اور شانِ جلال کو لئے ہوئے اپنا آخری فیصلہ سُناتی ہے

فیصلۂ الٰہی

ریا کے ساتھ یہ سجدے سروں میں فکرِ عناد
نمائشوں کی عبادت دلوں میں کفر و فساد!
کبھی نہ ہوں گے یہ مقبولِ بارگاہِ صمد
سرِ غرور رہے کیوں رہینِ ردّ و کد؟
زباں کی حرکت سے یہ وردِ "اللہ ہو"
کہاں سے لائیگا رنگِ خلوص کا پہلو!

شکایتیں ہیں تجھے بھی نظامِ عالم سے!
عداوتیں ہیں ابھی تک سجودِ آدم سے!

یہ چاہتا ہے کہ مٹ جائیں حضرتِ انساں
یہ بستیاں نظر آئیں خرابہ و ویراں!
نہ کوئی سازِ مسرت سے نغمہ پیرا ہو
نہ ذکرِ آدم و حوا نہ فکرِ عقبےٰ ہو!
نہ خار و گل کی خلش ہو نہ رنگ و بوئے چمن
بجائے نغمۂ بلبل ہو شورِ زاغ و زغن!
ربابِ خلق ہو خاموش اور یوں خاموش
ترا ہی نغمۂ مستی ہو بانگِ نوشا نوش!
بجا سہی کہ یہ انساں ہیں ظلوم و جہول
مگر تباہیٔ عالم تجھے ہے کیوں مقبول؟

اسی لئے کہ سُبک دوش بن کے نازاں ہو
مشیّتِ ازلی پر خوشی سے خنداں ہو!

کشاکشِ غم و ظلمت سے دور ہو جائے
مٹا کے فطرتِ ناری کو نور ہو جائے!

یہ تیری چال غلط اور ترا خیال غلط!
حضورِ رحمتِ باری یہ اشتعال غلط!

میں جانتا ہوں کہ معصوم کون انساں ہیں
وہ کون ہیں جو شریکِ غرورِ شیطاں ہیں؟!

سوادِ غرب میں جو شعلہ زن شرارے ہیں
ترے ہی شوخ نگاہوں کے یہ اشارے ہیں!

خلاف ان کے شکایت ہے یہ عجیب و غریب
خود اپنے دوست کے حق میں سفارشِ تخریب!

ان الفاظ پر جلالِ الٰہی سے آبی عرش کو زلزلہ آتا ہے۔

ترے ہی فتنۂ ابلیسیت کو آگ لگے!

غرور و دعوئے فرعونیت کو آگ لگے!

شیطان کی ڈاڑھی اور سر کے بال جھلسنے لگتے ہیں۔ وہ ایک چیخ مارتا ہے اور عتاب الٰہی سے جل بھنکر دل کی آگ بجھانے کیلئے سمندر میں چھلانگ لگاتا ہے۔ مگر تختِ الٰہی بدستور اپنی جگہ پر قائم ہے۔ ساتھ ہی ساتھ جلالِ الٰہی کی آواز زیادہ تر بلند ہو کر فضائے عالم میں گونجنے لگتی ہے۔

جو قوم تجھ سے طلبگارِ عزّ و جاہ ہوئی

اجل تباہ ہوئی! ہاں! اجل تباہ ہوئی!

انسانوں کی طرف مخاطب ہو کر

ابھی عزیز ہیں مجھ کو مرے وہی بندے

کہ جن کے پاک عقائد نہیں ہوئے گندے

وہی جبینِ عقیدت ہے جن کی نورانی
وہی کہ جس سے چمکتی ہے شمعِ ایمانی!
وہی کہ جن سے درخشاں ہے بزمِ عالمِ دل
وہی کہ ذات ہے جن کی مدارِ آب و گِل!
وہی جو عجز و عقیدت سے سر جھکاتے ہیں
تو حسنِ توبہ سے اپنی نظر جھکاتے ہیں!
مِلا کے پھر سے میں شیرازہ ہائے عالم کو
معاف کر کے مگر جُرمِ ابنِ آدم کو!
زمینِ کہنہ و فرسودہ پھر بساؤں گا
"نئے ستارے نئی کہکشاں بناؤں گا!!"

آخری شعر پر شانِ جلال رنگِ جمال سے بدلنے لگتی ہے۔ تجلیات

الٰہی کی بجلیاں پیہم چمک کر دلوں میں روشنی و سرور پیدا کرتی ہیں۔ تمام بنی نوع انسان اور مقرب فرشتے و پیغمبر سربسجود ہو کر سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں۔ اور کارکنان قضا و قدر مشیت کے حکم سے انسانی نمایندوں کو رخصت کرنے کے بعد روزِ قیامت تک کے لئے اجلاس کو برخاست کرتے ہیں۔

تمام شد

ہدیۂ خلوص و ولا از محمد مصطفیٰ خاں مصطفیٰ (لکھنوی)

بہ نکہت باصفا (شاہجہانپوری)

قطعۂ تاریخ حرفِ اوّل

خوشا نکہت کز و باغ سخن بگرفتہ رعنائی
دگر آمد بہ ذوق دلربائی و دل آرائی

مثال نغمہ ہائش جلوۂ ابر سرور افشاں
گہر خیزی، گہر ریزی، گہر سنجی، گہر زائی

در الفاظ و معانی موج موج آمد حقائقہا
خوشا ایں حرف سنجیہا خوشا ایں نکتہ آرائی

برائے حرفِ اوّل مصطفیٰ تاریخ گفتہ شد
کلام نکہت نازک خیالی اوج پیمائی

۱۳۶۸ ہجری نبوی صلعم

اِدارۂ مصنفین بمبئی

ایک علمی و تجارتی ادارہ ہے جس کا مقصد خاص شرقی و مغربی علوم و فنون کی اشاعت اور علمی حیثیت سے اسلامی خدمات ہیں یہ ارباب علم اور مصنفین کو طباعت و اشاعت کے سلسلہ میں ہر امکانی مشورہ و سہولت بہم پہنچانے کے لئے کھولا گیا ہے چنانچہ اس کے ممبر صرف وہی افراد ہو سکتے ہیں جن کا مقصد زندگی تصنیف و تالیف اور اشاعت علم ہو۔ عربی، فارسی اردو، انگریزی میں اس کے مختلف منتظم شعبے ہیں اس کے امدادی پہلو مندرجہ ذیل ہیں جو مصنفین و علم دوست اصحاب کے لئے صلائے عام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۱) معیاری تصانیف کی خرید و فروخت۔

(۲) وہ مطبوعات جو کسی وجہ سے قابل اشاعت نہ بن سکیں ادارہ کے ماتحت دی جا سکتی ہیں۔

(۳) نادر قلمی نوشتہ جات برائے اشاعت قیمتاً حاصل کئے جاتے ہیں۔

(۴) جن کتابوں کی طباعت کا مصنف صاحبان اہتمام نہ کر سکتے ہوں ادارہ کے ذریعہ سے طبع کرا سکتے ہیں۔

(۵) جو حضرات استفادہ کی غرض سے اس کے اعزازی ممبر ہونا چاہتے ہیں وہ صرف اپنا مستقل پتہ منیجنگ ڈائرکٹر کو لکھ کر بھیج دیں۔ تمام مطبوعات منتظم طور پر ان کی خدمت میں واجبی قیمت پر پہنچتی رہیں گی۔

(۶) مختلف نادر کتابیں ادارہ کی مساعی سے ممکن الحصول بن سکتی ہیں اس لئے عروس البلاد بمبئی مشرق و مغرب کا سنگم ہے۔

(۷) کتابوں کے علاوہ مختلف طباعت کے کام بھی ادارہ کے زیر اہتمام مکمل ہو سکتے ہیں۔

مزید معلومات اور واجبی امداد حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل پتہ نوٹ کر لیجئے اور علمی خدمات کا شرف بخشئے۔ خط و کتابت کیلئے جوابی ٹکٹ ضرور بھیجنا چاہئے۔

منیجنگ ڈائرکٹر:- **ادارۂ مصنفین**

مکتبہ سلطانی بمبئی

7